اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

نومبر ۲۰۱۷ء

November 2017



امام احمد رضا اور اسلاف امت کا دفاع | اصلاح عقائد و اعمال: تکفیر اور اہل سنت سے اخراج کی اصلاح

ڈی این اے ٹسٹ کے احکام و مسائل | آزادی سے پہلے اسمبلی میں یونیفارم سول کوڈ پر مباحثہ

پیغام شریعت دہلی شمارہ مئی جون ۲۰۱۷ء پر نعمان حنفی پٹنہ کا بے لاگ تبصرہ | روہنگیا کی فصل کٹ گئی، کیا اب برما امن کا اعلان کرے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT

Monthly

November-2017 | شمارہ نمبر: ۲۶ | جلد ۳ | November-2017

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زر تعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighamesshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۔ ٦

فہرست مضامین

۱	تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں (اداریہ)	فیضان المصطفٰی قادری (امریکہ)	5
۲	ڈی، این، اے ٹسٹ: احکام و مسائل	مولانا سید شہباز اصدق (سہسرام: بہار)	7
۳	تکفیر اور اہل سنت سے اخراج کی بابت اصلاح	مفتی منیب الرحمٰن (کراچی)	12
۴	امام احمد رضا اور اکابر امت کا دفاع	مفتی فیضان المصطفٰی قادری (امریکہ)	18
۵	شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض و نقد	مفتی ازہار احمد امجدی ازہری (بستی)	25
٦	دستور ساز اسمبلی میں یونیفارم سول کوڈ پر نقد و جرح	طارق انور مصباحی (کیرلا)	29
۷	خضر راہ: تبصرہ بر شمارہ مئی جون	نعمان احمد حنفی (پٹنہ)	43
۸	روہنگیا مسلمانوں کی فصل کٹ چکی	مولانا غلام مصطفٰے (مالیگاؤں)	48
۹	باغ و بہار	طلبہ و طالبات	50
۱۰	منقبت در شان اعلیٰ حضرت	مولانا سید اولاد رسول قدسی (نیویارک)	54

☆☆☆

اداریہ

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں!

کیا نیا ورلڈ آرڈر پوری دنیا کے مسلمانوں کو روہنگیا بنا کر چھوڑے گا؟

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ملکی اور عالمی حالات پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ خارجی اور داخلی سطح پر مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ ہو رہا ہے اور ہم اس کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت ہماری حیثیت اس مجبور کی سی ہے جو اپنی قوم کو لٹتے پٹتے دیکھے اور کچھ نہ کر سکے، ظالم کے ظلم کا شکوہ کیا کریں جب ہمارے پاس دفاع کی صلاحیت ہی نہ ہو، شاعر نے کہا تھا:

دیوار کیا گری مرے خستہ مکان کی		لوگوں نے آنے جانے کے رستے بنا لیے

مسلمانوں کے زوال اور تباہی کے لیے کوئی اور قوم نہیں، بلکہ اس کے لیے اپنی قوم اور اپنا اسٹرکچر ہی کافی ہے، جس کو خود اپنی فکر نہ ستائے دنیا کو کیا پڑی ہے کہ اس کی فکر کرے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انگریزوں کے طوفان کے سامنے ٹیپو سلطان جیسے غیور رہنما ناقابل تسخیر قلعہ ثابت ہوئے، جو اُس وقت تک نہ ٹوٹے نہ بکھرے جب تک اپنی ہی صفوں میں میر صادق اور میر جعفر جیسے غدار پیدا نہ ہو گئے۔ آج مشرق سے مغرب تک نظر دوڑائیں تو مسلمانوں کی ایک ہی تصویر نظر آئے گی: خون، بم و بارود، مظلومیت، بیکسی، خلفشار، دہشت گردی کا الزام، انتہا پسندی کا الزام، بلکہ چاہیں تو اس فہرست میں اب گوشت کھانے کا الزام بھی شامل کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی افسانہ نہیں کہ برما میں بربریت کا ننگا ناچ امن کے لیے نوبیل انعام یافتہ آنگ سانگ سوچی کی ناک کے نیچے ہوا ہے، اور بودھ مت کے جن پیروکاروں نے اپنا امیج یہ بنایا تھا کہ مکھی مچھر مارنا بھی خلق خدا کو تکلیف دینا ہے ان ستم شعاروں نے ننھے ننھے بچوں اور عورتوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹا ہے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ پھر کربلا نہ ہوگا؟ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ اپنی تمام تر سفاکیوں کے ساتھ کربلائیں برپا کی گئیں، اور یزیدیت اپنے تمام شر و رو غرور کے ساتھ دندناتی پھرتی رہی، لیکن ہم کس سے شکوہ کریں جب ہمارے قافلے میں کوئی حسین ہی نہیں۔ بات صرف برما کے واقعات کی نہیں ہے، بلکہ لگتا ہے وہ وقت آ گیا ہے جب مسلمانوں کا مسلمان ہونا وقت کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے، اور انھیں اِس بات کی قیمت چکانے پڑ رہی ہے کہ وہ ایک اللہ اور ایک رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں۔

ذرا اپنے ملک کا بدلتا سیاسی اور سماجی منظر نامہ بھی دیکھیں! کیا مودی اور یوگی کا ردیف و قافیہ ملک کی گنگا جمنی تہذیب کے لیے سوالیہ نشان نہیں بن گیا؟ ملک کی انتہا پسند قوتیں برما کے واقعات سے کیا کچھ سیکھنے کی کوشش میں ہیں اس کو بھی نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

عالمی سطح پر دیکھیں تو امریکی صدر مسٹر ڈونالڈ ٹرمپ کے اپنے عزائم ہیں، اسرائیل اور اس کے ہم نوا دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر کیا کیا منصوبے بنا رہے ہیں، وقت کا فرعون انسانوں پر جبروتی نظام مسلط کرنے پر تلا ہوا ہے مگر عصائے موسوی کے لیے نظریں ترس رہی ہیں، ان حالات میں مسلمان ممالک کجا اپنی صف بندی کرنے کی فکر کریں، گروپ سازی میں لگے ہوئے ہیں، اور ہمارے سنی مسلمان تو نہ جانے کس نجات دہندہ کے انتظار میں ہیں، اپنی قوم کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کی صلاحیت اب ہم سے سلب کر لی گئی ہے۔ نظریات و رجحانات کے اتنے ورژن سامنے

آ گئے ہیں کہ آپسی خلیجوں کو پاٹنے کے امکانات تقریباً ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری تحریریں اور تقریریں عظمتِ رفتہ اور ماضی کے درخشندہ واقعات تک سمٹ کر رہ گئی ہیں، جو حال کی امنگوں سے یکسر خالی ہوتی ہیں، اور جن میں مستقبل کے ولولوں کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ ہمارے حال کی کہانی بس اتنی سی ہے کہ دنیا بھر کے طالع آزماؤں کے لیے ہم مشق ستم بن کر رہ گئے ہیں، یعنی: تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں۔ یہودیوں کی نسل کشی کرنے والی نازی جرمنی اور ہولوکاسٹ چمپئن ہٹلر کو اقوام عالم نے بدی کی علامت کے طور پر متعارف کرایا ہے، مگر کیا برما میں جو کچھ ہوا اس کی فوج کا کوئی نوٹس لے گا؟ امید کی کرن بھلا کہاں سے نظر آئے جب خود مسلمان مملکتوں کے کانوں پر جوئیں نہیں رینگتیں، جو حساس طبیعت کے مالک ہیں وہ اپنے اوپر مایوسیوں کے بادل دیکھتے ہیں، کہاں جائیں؟ کیسے احتجاج کریں؟ کوئی ہماری کیوں سنے؟ اپنی کوئی سیاسی قوت ہے نہ کوئی اجتماعیت ہے، اور سماجی طور پر تو حد درجہ بکھری ہوئی قوم ہیں جو صحیح طور پر اپنا احتجاج بھی درج نہیں کرا سکتی۔

برما کے مسلمانوں پر جو قہر نازل ہوا ہے وہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہے یا ہماری غیرت وحمیت کا امتحان ہے؟ یہ الگ موضوع ہے، لیکن ہم ہندوستانیوں کو سوچنا ہوگا کہ ان کی فریادرسی تو دور کی بات ہے ان کی اشک شوئی میں بھی ہم اہل ہند کا کیا حصہ ہے؟ ہماری حکومت نے نفاذ امن کے لیے برما حکومت پر کوئی سفارتی دباؤ بنایا؟ ایسا کب کرتے، یہاں تو ملک میں پہلے سے موجود روہنگیا پناہ گزینوں پر سیاست کی جا رہی ہے۔

ملک میں بی جے پی خصوصاً یوپی میں یوگی جی کے آنے کے بعد جس طرح بھگوا تنظیمیں ابھر کر سامنے آئی ہیں یہ مسلمانوں کے وجود اور بقا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ یوپی میں پہلے بھی بی جے پی کے راج ناتھ سنگھ اور کلیان سنگھ جیسے لیڈروں نے زمام اقتدار سنبھالا ہے، لیکن ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ ریاستی حکومت کی طرف سے ترنگا اور ترانے کے جبروتی نفاذ کا حکم نامہ صرف مدارس عربیہ کو بھیجا جائے اور دیگر سارے تعلیمی اداروں کو نظرانداز کردیا جائے۔ مدارس عربیہ نے آزادی کے بعد سے اب تک ترنگا پھیرا کر یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کا شاندار اہتمام کیا ہے، اب کیا ہو گیا کہ اس طرح کے استثنائی احکامات نافذ کیے جا رہے ہیں؟ کیا اس کے ذریعہ مسلمانوں کی حب الوطنی کو شک کے دائرے میں نہیں کھڑا کیا جا رہا ہے؟ کیا برا ہو جاتا اگر یہ حکم نامہ بلا فرق مذہب ونسل ایک ساتھ ریاست کے تمام تعلیمی اداروں کو بھیجا جاتا؟۔ آر ایس ایس نے طویل عرصے تک اپنے مرکزی آفس پر ترنگا نہ لہرایا اور گاندھی جی کو ''راشٹر پتا'' ماننے سے انکار کرتے رہے تو ان کے خلاف کوئی نوٹس کیوں نہیں لی جاتی؟ ان کی حب الوطنی پر کوئی سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا؟

بات دراصل سیاسی قوت کی ہے، اس ملک میں مسلمانوں کے لیے سیاسی قوت بننے میں کوئی آئینی رکاوٹ نہیں ہے، دستور ہند نے مسلمانوں کو اس ملک کا آزاد شہری قرار دیا ہے جسے باقی اقلیتوں کی طرح سارے آئینی حقوق حاصل ہیں، لیکن ہماری قوم کا سیاسی شعور اب تک بالغ نہیں ہو سکا ہے، چھوٹی چھوٹی مسلمان تنظیمیں یا علاقائی اثر رسوخ رکھنے والے قائدین اپنے اپنے طور پر مختلف پارٹیوں کی حمایت کر دیتے ہیں، جس کے سبب اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے ووٹ جوتوں میں دال کی طرح بٹ کر اپنا اثر کھو دیتے ہیں اور انتہا پسند جماعتیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتی جا رہی ہیں۔ بی جے پی ایک زمانے تک مندر مسجد اور ہندو مسلم کی سیاست کرتی رہی جس میں اسے کامیابی نہ ملی تو وہ پوری تیاری کے ساتھ 'ترقی، ڈیجیٹل انڈیا، خود کفیل معیشت' جیسے خوبصورت نعرے لے کر میدان میں اتری، دوسری طرف اندرا اور راجیو گاندھی کے بعد کانگریس پارٹی سخت انتشار کا شکار ہو گئی بلکہ بے جان ہو چکی ہے، اور گزشتہ بیس پچیس سال سے ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار رہا ہے، اور نئی پارٹیوں کا مقدر ٹوٹنا بکھرنا رہا، بالآخر بی جے پی کے اچھے دن آ گئے، جس کا اصل سبب ملک میں کسی متبادل متحرک سیاسی جماعت کا نہ ہونا ہے۔ خدا کرے کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ مسلمان قوم اس ملک میں اپنی شیرازہ بندی کر سکے، ہمارے حالات دیکھ کر تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوتا لیکن پروردگار عالم جل شانہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

فقہی مسائل

ڈی، این، اے ٹسٹ: احکام ومسائل

مولانا سید شہباز اصدق: مدرسہ غوثیہ گلزار اصدق (سہسرام: بہار)

انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار عجائب وغرائب پوشیدہ ہیں، جس سے بندے کو رب تعالیٰ کی شانِ خدائی کا ادراک ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ أَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [سورہ حم سجدہ: آیت ۵۳]

ترجمہ: ابھی ہم انھیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپے میں، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے۔ کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟

نیز ارشاد فرمایا: ﴿وَ فِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [سورہ ذاریات: آیت ۲۱]

ترجمہ: اور خود تم میں [نشانیاں ہیں] تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

مذکورہ دونوں آیات کریمہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بندہ اگر لطائف صنعت کے سمندر میں غوطہ زن ہو، اور انفس وآفاق میں غور وفکر سے کام لے تو وہ انسانی وجود کے اندر موجود داخلی نشانیوں [internal signs] سے آشنا اور نت نئے حقائق سے آگاہ ہوسکتا ہے۔

آج کا دور سائنسی علوم کی معراج کا دور ہے۔ اس دور میں سائنس دانوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ شعور اور قوتِ مشاہدہ کو بروئے کار لاکر اب تک انسان کی بہت سی داخلی نشانیوں اور لطائف وعجائب کے انکشاف میں کامیابی حاصل کر لی ہے، جبکہ سائنسی تحقیقات وانکشافات کا یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب فرمایا۔

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکوں

انسان کے داخلی سائنسی انکشافات میں ایک اہم انکشاف ڈی، این، اے [D.N.A] ہے، جسے دنیا کے سامنے پہلی بار ۱۸۶۹ء میں مشہور سائنس داں فریڈ ریک مائیسکر [Fredrick Miescher] نے پیش کیا تھا، جبکہ ۱۹۸۴ء میں لیسیسٹر یونیورسٹی لندن میں جنٹیک سائنٹسٹ ڈاکٹر ایلک جیفریز [Alec jeffreys] نے جرائم کی تحقیق میں اس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر شائع کیا تھا۔

ڈی، این، اے Deoxy.Ribo.nucleic Acid کا مخفف ہے۔ یہ تمام جانداروں کے خلیات کے مرکزوں میں ہوتا ہے، تاہم جانوروں کا ڈی، این، اے انسانوں کے ڈی، این، اے سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ وائرس میں پایا جانے والا ایک ایسا سالمۂ کبیر Macro Molecule ہے جو کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن اور فاسفورس جیسے کیمیائی عناصر سے بنتا ہے [ملخصاً ڈی، این، اے کی شرعی حیثیت، از مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی حیدرآبادی۔ مطبوعہ: ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر مصری گنج حیدرآباد]

ڈی این اے کا سائنسی تعارف: جدید سائنس کے لحاظ سے ڈی، این، اے دراصل چند مخصوص اقسام کے کیمیاوی مرکب کا نام ہے، جس میں انسان کی اپنی شخصیت یا اس کے والدین اور اصول وفروع کی شخصیت وذات کو ممتاز ومتعین کرنے والے الگ الگ طرح کے موروثی اجزا پائے جاتے ہیں۔ کسی بھی انسان کے یہ اجزا پوری دنیا میں کسی اجنبی انسان کے اجزا سے میل نہیں کھاتے، جیسے ایک شخص کے انگوٹھے اور انگلیوں کے نشانات دوسرے شخص کے انگوٹھے اور انگلیوں کے نشانات سے میل نہیں کھاتے۔

کسی بھی انسان کے عضو یا جز میں خاص قسم کے اجزائے ممیّزہ

کی تلاش اور جانچ کا نام ڈی، این، اے ٹسٹ ہے اور جانچ کے بعد وہ اجزائے ممیّزہ جس کے قرار پائیں، اس کے ساتھ ان کے الحاق اور جس کے نہ ہوں، اس سے ان کی نفی کی خبر کا نام ڈی، این، اے ٹسٹ کی رپورٹ ہے۔[مجلس شرعی کے فیصلے، ص۴۲۱]

ڈی این اے کا شرعی تعارف: مجلس شرعی کے فیصلے میں شرعی نقطۂ نظر سے ڈی، این، اے کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔"شریعت طاہرہ نے اولاد اور ان کے والدین، نیز ان کے اصول وفروع میں "جزئیت" کا علاقہ ورشتہ تسلیم کیا ہے، یہاں تک کہ زانی وزانیہ کے ملاپ سے پیدا ہونے والے بچوں میں بھی زانی وزانیہ کی جزئیت موجود ہے۔ اسی جزئیت کا نام میڈیکل سائنس کی زبان میں ڈی، این، اے ہے، اور اس جزئیت کی تلاش وجستجو کا نام ڈی، این، اے ٹسٹ ہے اور تلاش وجستجو کے نتیجے میں جو حقیقت اجاگر ہو کر سامنے آتی ہے، اسی کا نام ڈی، این، اے کی رپورٹ ہے"۔[مجلس شرعی کے فیصلے، ص۴۲۱]

ڈی این اے ٹسٹ اور اس کی رپورٹ کی شرعی حیثیت: شریعت اسلامیہ کے مقدمات دو قسم کے ہیں۔ بعض مقدمات وہ ہیں کہ جن کا تعلق بینہ اور دلیل سے ہے کہ بغیر بینہ اور دلیل کے مقدمہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور بعض مقدمات وہ ہیں کہ جس میں قرائن سے مدد لی جاتی ہے، اور ان مقدمات میں از روئے شرع قرائن ایک حد تک قابل قبول اور لائق اعتماد ہوتے ہیں، جیسا کہ باکرہ کی رضامندی کے سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔" **والبکر تستامر واذنها سکوتها** [صحیح مسلم] ترجمہ: دوشیزہ سے اجازت لی جائے گی، اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باکرہ لڑکی کی خموشی کو رضامندی واجازت قرار دے کر قرینہ کو قابل قبول اور لائق عمل ٹھہرایا ہے۔

فقہ حنفی کے اعتبار سے بعض مسائل میں قرائن کی قبولیت اور اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ (م۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں۔" **و یقرب من ذلک مسائل کثیرة ایضا حکموا فیها قرائن الاحوال العرفیة کمسئلة الاختلاف فی المیزاب و ماء الطاحون...و تجویزهم الشهادة بالملک لمن رایت بیده شیئا یتصرف به ...و کذا مسئلة اختلاف الزوجین فی امتعة البیت یجعل القول لکل واحد منهما فی الصالح له و للزوج فی غیره و حبس المتهم بقتل و نحوه عند ظهور الامارات و جواز الدخول بمن زفت الیه لیلة العرس و ان لم یشهد عدلان بانها زوجته** " [مجموعة رسائل ابن عابدین ج۲ ص۱۲۷]

ترجمہ: قرائن کے سلسلے میں فقہائے احناف نے تفصیل بیان کی ہے اور حقوق العباد سے متعلق قرائن عرفیہ کو معتبر قرار دیا ہے، جیسے کسی چیز پر قبضہ اور اس میں تصرف ملکیت کا قرینہ ودلیل ہے۔ اسی طرح گھر کے ساز وسامان میں زوجین کا اختلاف ہو تو شوہر کے لیے قابل استعمال سامان کے بارے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اور عورت کے قابل استعمال سامان کے سلسلے میں عورت کا قول قبول کیا جائے گا۔ قتل وغیرہ جیسے جرائم میں متہم وملزم کے خلاف علامتوں کا پایا جانا ایسا قرینہ ہے جو اس کے قید کیے جانے کے لیے کافی ہے۔ نوشہ کے پاس شب زفاف رخصت کی جانی والی دلہن کے ہاں اس کا جانا اسی ظاہری قرینہ کی بنا پر جائز ہے اگر چہ" یہ اس کی بیوی ہے" کہہ کر دو عادل گواہ گواہی دینے کے لیے وہاں موجود نہ ہوں۔

ڈی، این، اے کی رپورٹ ثبوت شرعی نہیں ہے، تاہم اس کی حیثیت قرینۂ عقلیہ اور ظن غالب کی ہے کہ بے شمار بار کے مشاہدات اور تجربات سے یہ امر متحقق ہو چکا ہے کہ یہ رپورٹ قریباً سو فیصد صحیح ہوتی ہے اور اس میں غلطی کا احتمال عادۃ نہیں رہ گیا ہے۔ لہٰذا وہ امور جن کے اثبات کے لیے شریعت بینہ اور دلیل طلب کرتی ہے، وہاں بینہ نہ پائے جانے کی صورت میں ڈی، این، اے کی رپورٹ کے مطابق فیصلہ قابل قبول نہ ہوگا۔ البتہ جن امور کے اثبات کے سلسلے میں شرع میں قرائن سے مدد لی جاتی ہے وہاں

ڈی،این،اے ٹسٹ کی رپورٹ کے مطابق فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔

مجلس شرعی مبارکپور کے انیسویں فقہی سیمینار کے فیصلے میں ڈی،این،اے ٹسٹ اور اس کی رپورٹ کی شرعی حیثیت کے تحت درجہ ذیل فیصلہ مرقوم ہے۔

''کسی شخص کے ساتھ جزئیت کا الحاق یا اس کی نفی کی خبر'' یہ اس کی شرعی حیثیت ہے مگر یہ خبر ''خبر محض'' نہیں، بلکہ ایسی خبر ہے جس کی صحت کا بے شمار بار تجربہ ہو چکا ہے اور اب اس میں اصولی طور پر غلطی کا احتمال بہت ہی شاذ و نادر ہے، اس حیثیت سے یہ خبر ''ظن غالب'' کا افادہ کرتی ہے۔ البتہ شرعی حکم کم سے کم دو مستند ماہرین کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی جاری کرنا چاہیے اور اگر نجی موبائل مشین سے بھی جانچ کرا طمینان حاصل کر لیں تو مناسب ہے''۔[مجلس شرعی کے فیصلے،ص ۴۲۲]

نیز اسی میں تحریر ہے ''مختصر یہ کہ: ڈی،این،اے ٹسٹ کی رپورٹ ثبوت شرعی نہیں، اس کی حیثیت قرینہ عقلیہ کی ہے، لہٰذا شریعت نے جن امور میں قرائن کا اعتبار کیا ہے، ان تمام امور میں اس رپورٹ کا بھی اعتبار ہوگا''۔[مجلس شرعی کے فیصلے،ص ۴۲۶]

ڈی،این،اے ٹسٹ اور اس کی رپورٹ کی شرعی حیثیت کی وضاحت کے بعد اس سے متعلق ہونے والے چند اہم مسائل و احکام کا بیان ناگزیر ہے۔

ڈی،این،اے کی رپورٹ سے زنا، سرقہ، قتل وغیرہ جرائم کا ثبوت: [الف] ازروئے شرع زنا کے ثبوت کے لیے اقرار یا چار ایسے مرد گواہ ہونے چاہیے جو مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد اور عادل ہوں، جن کی شہادت اور دیانت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو، اور گواہی بھی اس طرح دیں کہ انھوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا ہے۔ اسی طرح سرقہ، شرب خمر، قذف اور قتل وغیرہ کے ثبوت کے لیے اقرار یا دو مردوں کی شہادت عندالشرع لازمی وضروری ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ ڈی،این،اے کی رپورٹ نہ شہادت ہے، اور نہ اقرار ہے، بلکہ یہ ایک مشینی عمل اور میڈیکل کا تجربہ ہے، جسے ظنِ غالب اور قرینۂ عقلیہ کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا حدود وقصاص کے اثبات میں ڈی،این،اے کی رپورٹ کا اعتبار نہ ہوگا اور اس کے مطابق فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

البتہ تفتیش حال اور امر واقعی سے آگاہی کے لیے مجرم و ملزم کا ڈی،این،اے ٹسٹ کرایا جا سکتا ہے۔ ٹسٹ کے بعد اگر رپورٹ کے ذریعہ اس کی نشاندہی ہو جاتی ہے تو اس کو قید کر کے اس پر نفسیاتی دباؤ بناتے ہوئے اس سے پوچھ تاچھ کی جا سکتی ہے، تاکہ وہ جرم کا مرتکب ہو تو اقبال جرم کر لے۔ اس کی تائید اس فقہی جزئیہ سے ہوتی ہے۔

''**وحبس المتهم بقتل ونحوه عند ظهور الامارات**''

[مجموعۂ رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۱۲۷]

ترجمہ: قتل وغیرہ جیسے جرائم میں متہم و ملزم کے خلاف علامتوں کا پایا جانا ایسا قرینہ ہے جو اس کے قید کیے جانے کے لیے کافی ہے۔

خیال رہے کہ زنا کے مقدمہ میں تفتیش حال کے لیے ڈی،این،اے ٹسٹ کروانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ ڈی،این،اے ٹسٹ کے لیے مادۂ منویہ حاصل کرنا ہوگا اور کسی مرد یا عورت کے مادۂ منویہ کے حصول کے لیے کئی حرام امور کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ بے ستری، بے پردگی اور ضیاع وغیرہ، لہٰذا زنا کے مقدمہ میں ڈی،این،اے ٹسٹ کرانے کی اجازت ازروئے شرع نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود اگر متہم شخص کا ڈی،این،اے کرایا گیا اور رپورٹ کے مطابق اس کی نشاندہی ہوتی ہو تو اسے قید کر کے تفتیشی کاروائی کی جائے گی۔[ملخصا ڈی،این،اے کی شرعی حیثیت، ص ۴۹]

اب اگر وہ ملزم اقبال جرم نہ کرے، اور کوئی گواہ بھی موجود نہ ہو تو شریعت کے مطابق ڈی،این،اے کی رپورٹ کا اعتبار کر کے اسے مجرم قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ڈی،این،اے کی رپورٹ سے اس کی نشاندہی زیادہ سے زیادہ اس پر جرم کا شبہ ظاہر کرتی ہے، اور شبہ کی بنیاد پر حدود ساقط ہو جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''**ادرء وا الحد**

و د بالشبہات"[کنزالعمال، کتاب الحدود]

ترجمہ: شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کردو۔

اس بابت مجلس شرعی مبارکپور کا فیصلہ یہ ہے ۔" ڈی ،این،اے کی رپورٹ سے زنا ،سرقہ ،قتل وغیرہ موجب حدود و قصاص جرائم کا ثبوت نہیں ہوسکتا، کیونکہ شریعت نے زنا کے ثبوت کے لیے اقرار یا چار دین دار مردوں کی چشم دید شہادت اور دوسرے حدود وقصاص کے ثبوت کے لیے اقرار یا دو مردوں کی شہادت لازمی قرار دی ہے، اور یہ رپورٹ نہ اقرار ہے ،نہ شہادت ۔لہٰذا ڈی ،این،اے ٹسٹ کی رپورٹ سے زنا ،سرقہ ،قتل وغیرہ موجب حدود وقصاص جرائم کا ثبوت نہ ہوگا ۔ہاں ،اس کی حیثیت" قرینہ عقلیہ" کی ہے،اس لیے اس کی رپورٹ میں عضو یا جز کا نمونہ جس کا قرار پائے گا ،اس سے تفتیش ہوسکتی ہے"۔

[مجلس شرعی کے فیصلے ،ص ۴۲۴]

[ب] کسی مرد پر زنا کا الزام ہو ،اور جس عورت کے ساتھ زنا کا الزام لگایا گیا ہو، وہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہ ہو ،اس کے باوجود حاملہ ہو تو ایسی صورت میں بغیر اقرار یا بینہ کے حد زنا جاری نہیں کی جائے گی ،گر چہ ڈی ،این،اے ٹسٹ کی رپورٹ اس کی تصدیق کرے، کیوں کہ یہ ایک قرینہ ہے ،اور حدود وقصاص قرینہ سے ثابت نہیں کیے جاسکتے ۔ہاں ،ڈی ،این،اے کی رپورٹ کا اس حد تک اعتبار ضرور کیا جائے گا کہ اگر اس عورت [ملزمہ] کو لڑکی پیدا ہوئی تو وہ بچی ملزم پر حرام قرار پائے گی۔

اس سلسلے میں مجلس شرعی مبارکپور کے فیصلے میں یہ حکم تحریر ہے۔ "کسی پر زنا کا الزام ہو ،اور عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہ ہو ،اور ڈی ،این،اے رپورٹ مثبت ہو تو پیدا ہونے والی بچی ملزم پر حرام قرار پائے گی"۔[مجلس شرعی کے فیصلے ،ص ۴۲۴]

ڈی ،این،اے ٹسٹ سے نسب کا ثبوت :

[الف] شادی شدہ عورت کے حمل کا غیر شوہر دعویٰ کرے تو کیا ایسی صورت میں ڈی ،این،اے ٹسٹ کی رپورٹ سے نسب ثابت ہوگا ؟

ثبوت نسب کے سلسلے میں اصول شریعت یہ ہے کہ عورت جس کے نکاح میں ہوتی ہے ،اسی سے نسب ثابت ہوتا ہے ۔آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد میں فرماتے ہیں ۔"**الولد للفراش و للعاهر الحجر** "[صحیح بخاری] بچہ صاحب فراش یعنی شوہر سے منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔

لہٰذا اگر مدعی بغیر بینہ کے کسی شادی شدہ عورت کے بچے کو غیر شوہر کی طرف منسوب کرتا ہے تو یہ قابل قبول نہ ہوگا اور اس سلسلے میں عورت کا ڈی ،این،اے ٹسٹ نہیں کرایا جائے گا اور اگر کرالیا، اس کے بعد رپورٹ سے مدعی کے قول کی تائید ہوتی ہو جب بھی اس رپورٹ سے نسب کا ثبوت نہ ہوگا ، کیونکہ ثبوت نسب کے لیے اصول شریعت "الولد للفراش" ہے اور مسئلہ ہٰذا میں متہم عورت صاحب فراش [شوہر والی] ہے ،لہٰذا اس صورت میں بھی بچے کا نسب عورت کے شوہر سے ہی ثابت ہوگا۔

مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی صاحب لکھتے ہیں ۔" ثبوت نسب کے مسئلہ میں صاحب فراش کے ہوتے ہوئے دعویٰ کرنے والے سے نہ بچہ کی شکل و شباہت دیکھی جائے گی ،اور نہ ڈی ،این،اے ٹسٹ کرایا جائے گا۔اگر ڈی،این،اے ٹسٹ کرایا جائے اور رپورٹ دعویدار کی تائید میں آئے یا مخالفت میں، زیر بحث مسئلہ میں بچہ بہر حال صاحب فراش کی طرف ہی منسوب ہوگا"۔

[ڈی،این،اے کی شرعی حیثیت ،ص ۳۱]

[ب] اگر کسی بچے کا نسب معلوم نہ ہو ،اور اس کی نسبت کئی افراد دعویٰ کر رہے ہوں اور کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو کیا ڈی، این،اے کی رپورٹ سے بچہ کا نسب ثابت کیا جاسکتا ہے؟

[ج] اسی طرح زچہ خانہ میں چند بچے خلط ملط ہو کر مشتبہ ہو گئے تو کیا ڈی،این،اے ٹسٹ کے ذریعہ ان بچوں کا نسب متعین کیا جاسکتا ہے؟

مذکورہ دونوں سوالوں سے ظاہر و متبادر ہے کہ ثبوت نسب کے لیے شریعت نے جو اصول وضع کیے ہیں، یعنی فراش اور بینہ، یہ دونوں صورتوں میں مفقود ہیں ۔چنانچہ ایسی صورت میں علامت اور قرینہ سے فیصلہ کیا جائے گا اور ڈی ،این،اے ایک قوی ترین

علامت اور قرینہ ہے، لہٰذا اس کی رپورٹ کے موافق نسب متعین کیا جائے گا۔اس حکم کی تائید ''الدر المختار علی ہامش رد المحتار'' کے اس جزئیہ سے ہوتی ہے۔

''و ان ادعاه خارجان و وصف احدهما علامة به ای بجسده لا بثوبه و وافق فهو احق اذا لم یعارضها اقویٰ منها'' [الدر المختار علی رد المحتار، کتاب اللقیط، جلد ۳، ص ۳۴۶]

ترجمہ: اگر دو اجنبی اشخاص بچہ کا دعویٰ کریں اور ان میں سے ایک نے بچہ کے جسم پر موجود علامت کی نشاندہی کی اور وہ علامت اس کی نشاندہی کے مطابق پائی گئی تو اس قرینہ کی وجہ سے بچہ اسی کا قرار پائے گا، جبکہ اس کے خلاف اس سے قوی تر قرینہ موجود نہ ہو ،اگر وہ کپڑے پر موجود علامت کی نشاندہی کرے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے سلسلے میں مجلس شرعی کے فیصلے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

جس بچے کے چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی ،این ،اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

یوں ہی چند نومولود بچے خلط ملط ہو کر مشتبہ ہو گئے جیسا کہ بسا اوقات زچہ خانے میں ہو جاتا ہے تو ڈی ،این ،اے ٹسٹ کے ذریعہ ان بچوں کا نسب متعین کیا جاسکتا ہے۔

[مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۴۲۴]

لعان کی صورت میں ڈی ، این ، اے رپورٹ کا حکم: اگر شوہر بچہ کی ولادت کے بعد ہی اس کا انکار کر دے اور اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگا بیٹھے، لیکن دعویٰ ثابت کرنے کے لیے چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے اور بیوی اس کا انکار کرے تو اسلام نے اس صورت میں لعان رکھا ہے [لعان یہ ہے کہ مرد چار مرتبہ اللہ کی قسم کے ساتھ کہے کہ وہ اس عورت پر زنا کا الزام لگانے میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں یہ الزام لگانے میں جھوٹا ہوں۔اس کے بعد عورت کو چار مرتبہ اللہ کی قسم کے ساتھ کہنا ہوگا کہ مرد اس پر زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر مرد اس الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا عذاب ہو] اور اگر دونوں میاں بیوی لعان کریں تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا اور بچہ کا نسب شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، بلکہ بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔اگر چہ ڈی ،این ،اے کی رپورٹ سے بچہ اپنی ماں کے شوہر سے معلوم ہو رہا ہے، پھر بھی اس رپورٹ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ڈی ،این ،اے رپورٹ لعان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

اگر شوہر لعان کرنے سے انکار کرے تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی ،اور بچہ اسی کی طرف منسوب ہوگا اور اس صورت میں بھی بچہ کا ڈی ،این ،اے ٹسٹ کرانے کی نہ حاجت ،نہ اجازت ۔پھر بھی ٹسٹ کرایا گیا تو نسب کے سلسلے میں اس رپورٹ کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا۔[ڈی ،این ،اے کی شرعی حیثیت]

غرضیکہ ڈی ،این ،اے کی رپورٹ ثبوت شرعی نہیں، بلکہ قرینہ عقلیہ ہے، لہٰذا جن امور میں شرعی قرائن معتبر ہوتے ہیں، اس میں ڈی ،این ،اے کی رپورٹ کا اعتبار ہوگا، مگر ڈی ،این ،اے رپورٹ کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کے لیے تمام تر احتیاط کا خیال رکھنا لازم وضروری ہے، تاکہ رپورٹ سو فیصد صحیح آئے اور اس کے مطابق شرعی فیصلہ صحت کے ساتھ نافذ ہو۔رپورٹ کی صحت کے لیے ٹسٹ کرتے وقت درجہ ذیل احتیاطی تدبیر کا خیال ایک امر ناگزیر ہے۔

''سیمپل صحیح طور پر لیا گیا ہو، مشین نے جو رپورٹ دی، اسے صحیح پڑھا اور سمجھا جائے ،ایک ہی عضو کے پندرہ یا کم از کم تیرہ مقامات سے ٹسٹ کیا گیا ہو، مشین درست ہو، جانچ سے پہلے اس کی صفائی وغیرہ کر لی گئی ہو، ٹیکنیشین باصلاحیت ہو، تجربہ کار ہو، کیمیکل اچھے استعمال کیے گئے ہوں ،اگر یہ سب باتیں پائیں جائیں تو رپورٹ صحیح ہوگی''۔[مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۴۲۳]

☆☆☆

عقائد و اعمال

قسط دوم

تکفیر اور اہل سنت سے اخراج کی بابت اِصلاح

بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کی ایک عاجزانہ کوشش

از : مفتی منیب الرحمن کراچی

تکفیر اور فتویٰ کفر جاری کرنے کی بابت شرعی اصلاح : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''فائدہ جلیلہ: چار قسم کی باتیں مُسلّمات میں سے ہیں:

(۱) ضروریاتِ دین: جن کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قَطْعِیَاتُ الدَّلَالَات وَاضِحَۃُ الْإِفَادَات سے ہوتا ہے، جن میں کسی شبہہ اور تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

(۲) ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و جماعت: ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے، مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں معمولی سے شبہے اور تاویل کا احتمال رہتا ہے، اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں، بلکہ گمراہ، بدمذہب اور بے دین کہلاتا ہے۔

(۳) ثابتات محکمات: ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی ہے، جب کہ اس سے اس درجے کا ظنِ غالب حاصل ہو کہ اس کی جانبِ مخالف مطروح، مضمحل (کمزور) قرار پائے اور خاص توجہ کے قابل نہ رہے۔ ان کے ثبوت کے لیے احادیثِ آحاد، صحیح یا حسن کافی ہے، اسی طرح سوادِ اعظم کے قول اور جمہور علما کی سند ثَابِتَاتِ مُحْكَمَات کے لیے کافی ہے، فَاِنَّ یَدَ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ (جماعت کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے)

مندرجہ بالا معیار کے مطابق مسائل کی وضاحت کے بعد ان کا منکر خطا کار و گناہگار قرار پاتا ہے، لیکن اسے بے دین یا بد دین یا گمراہ یا کافر یا خارج از اسلام قرار نہیں دیا جائے گا۔

(۴) ظَنِّیَاتِ مُحْتَمَلَہ: ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی کافی ہے، جس کے بعد جانبِ مخالف کی بھی گنجائش ہو۔ ان کے منکر کو صرف خطا کار اور قصوروار کہا جائے گا۔ گنہگار، گمراہ اور کافر نہیں کہا جائے گا۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے۔ جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ہر مسئلے کے لیے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے، وہ جاہل، بے وقوف یا مکّار فلسفی ہے:

ہر سخن وقتے، ہر نکتہ مقامے دارد

ترجمہ: ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا کوئی خاص مقام ہوتا ہے...... اور:

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

ترجمہ: جو دعوے اور دلیل کے درمیان مناسبت کو ملحوظ نہ رکھے، وہ زندیق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج29:، ص385:، بتصرف)

امام اہل سنت کے فرمان کا منشا یہ ہے کہ کسی بات کے لیے جس درجے کے عقیدے یا فقہی حیثیت کا دعویٰ ہو، اُسی درجے کی دلیل مانگنی چاہیے۔

کفرِ التزامی و لزومی میں فرق:

کفر کی دو اقسام ہیں:

اولاً: یہود، ہنود، نصاریٰ، مجوس، صابئین اور بت پرستوں کا کفر قرآن میں صراحۃً مذکور ہے۔ مادہ پرست، بدھ مت اور جین

مت وغیرہ کے پیروکار اور دہریہ کا کفر دلالت النص سے ثابت ہے۔

ثانیاً: کوئی اپنے ظاہر یا دعوے کے مطابق مسلمان ہے، لیکن وہ قرآن یا سنتِ متواترہ یا اجماعِ قطعی سے جو عقیدہ یا عمل اس طرح ثابت ہو کہ قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہو، اور ضروریاتِ دین میں سے ہو، اور اُس کا براہِ راست انکار یا توہین واستہزا کرے، تو کافر ہو جائے گا، اِسی کو کُفرِ التزامی کہا جاتا ہے۔

مثلاً: ختمِ نبوت کا انکار، خاتم النبیین کے اجماعی معنٰی کا انکار، آخرت، اُخروی جزا و سزا، حشر ونشر اور جنت وجہنم کا انکار، اللہ تعالیٰ یا کسی بھی نبی مکرّم کی شان میں اہانت، اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان طرازی، قرآن کو تحریف شدہ یا بیاضِ عثمانی ماننا، غیرِ نبی کو نبی سے افضل ماننا اور مسلمانوں کے خون کو بلا تاویل حلال قرار دینا، شعائرِ اسلام جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ کا مذاق اڑانا اور اس کے علاوہ وہ تمام کفریات، جو عقائد اور فقہ کی معتبر کتابوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں، کا قائل ہونا۔

بعض فقہائے کرام لُزومِ کفر کی صورت میں بھی کفر کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ لزومِ کفر سے مراد یہ ہے کہ براہِ راست ضروریاتِ دینیہ میں سے کسی بات کا انکار تو نہیں ہوتا، لیکن مقدمات ترتیب دیے جائیں تو یہ بات آخر کار ضروریاتِ دینی میں سے کسی ایک کے انکار پر مُنتج ہوتی ہے۔ اس صورت میں احتیاطاً توبہ اور تجدیدِ ایمان کا حکم دیا جاتا ہے، لیکن اس کی بنیاد پر کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ الغرض جب تک کسی کے قول میں تاویل کے ساتھ صحت کا ادنیٰ پہلو بھی موجود ہے، اس کی تکفیر سے گریز کرنا واجب ہے۔ اسی طرح بدگمانی سے کام لینا اور صحت کا پہلو تلاش کرنے کی بجائے منفی پہلو تلاش کرنا، محض عوام کے دلی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں کسی کے خلاف بھڑکا دینا، علمائے حق کا طریقہ نہیں بلکہ بدمذہبوں کا شعار ہے۔

اہل سنت وجماعت کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ کسی کی تکفیر کرنے میں حد درجہ محتاط رہتے ہیں اور جب تک کفر واضح وروشن نہ ہو، تکفیر سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ہمارے مخالفین کا طریقہ واردات رہا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر کفر وشرک کے فتوے لگا کر مسلمانوں کو کافر قرار دے رہے ہوتے ہیں، حالانکہ اُس بات میں کفر کا دور دور تک کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ پس ہمیں بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی کی تکفیر میں حد درجہ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے رد میں " اَلْكَوْكَبَةُ الشِّهَابِيَّةُ فِي كُفْرِيَاتِ اَبِي الْوَهَّابِيَّة " کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے اسماعیل دہلوی کے ستر کفریات شمار فرمائے، لیکن اُس کی توبہ کی افواہ کی بنیاد پر آپ نے اس کی تکفیر سے گریز فرمایا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ''اہم تنبیہ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

یہ فقہی حکم سفیہانہ کلمات سے متعلق تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام، عظمائے اسلام، مُعَظِّمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر کہ وہ یہ سب کچھ دیکھتے، ان لوگوں کے ہاتھوں شدید اذیت پاتے، اس گمراہ فرقے کے امام و پیروکاروں سے بلاوجہ شرعی بات بات پر صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے ہیں، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود شدتِ غضب سے مغلوب ہو کر احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتے۔ اِن نالائق ولایعنی خباثتوں پر انتقام پر نہیں اترتے۔

علمائے حق ان سب کچھ کے باوجود ابھی تک یہی تحقیق فرما رہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کو کلمہ کفر کہنے اور قائل کو کافر قرار دینے میں فرق ہے۔ ہم اُس وقت تک احتیاط برتیں گے، سکوت اختیار کریں گے، جب تک ضعیف سے ضعیف

احتمال ملے گا، کفر کا حکم جاری کرنے سے اجتناب کریں گے۔فقیر غفرلہ تعالیٰ نے اپنے رسالے''سُبْحٰنُ السُّبُّوْح عَنْ عَیْبِ کَذِبٍ مَقْبُوْح'' کے آخر میں اس موضوع کا قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، اور وہاں بھی اس کے باوجود کہ اُس امام اور اس کے پیروکاروں پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھہتر (۷۸) وجوہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا، مگر اُس کی تکفیر سے زبان کو روکے رکھا۔(فتاویٰ رضویہ ج15: ص236: بتصرف)

کسی پر کفر یا گمراہی کا حکم دینے سے یہ مطلب لینا کہ مسلمان کو کافر یا گمراہ بنادیا جو آج کل کے آزاد خیال بیان کرتے ہیں، غلط ہے۔کوئی کسی کے فتویٰ کی بنیاد پر کافر یا گمراہ نہیں ہوتا، بلکہ اس نے ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کیا ہوتا ہے جو اُس کے اسلام سے خروج کا سبب ہوتا ہے۔اگر علما اس کے بارے میں فتویٰ جاری نہ بھی کریں، پھر بھی اپنے اس کفریہ عقیدے کی بنیاد پر وہ خود بخود اسلام سے خارج ہوجائے گا، یعنی فتویٰ اس میں موجود خرابی کو ظاہر کرتا ہے، نا کہ اس میں اس خرابی کو پیدا کرتا ہے۔اس لیے اگر کوئی شخص کفرِ التزامی کا ارتکاب کرے تو اس ظالم کو کچھ نہ کہنا اور اُس کی بجائے شرعی حکم بتانے والے عالمِ دین کو دھر لینا، بلکہ انہیں دہشت گرد کہہ کر ان کے خلاف مقدمہ بازی کرنا بہت بڑا ظلم ہے، اور اس کے خلاف آواز بلند کرنا نہایت ضروری ہے۔

اہل سنت کا طریقہ ہے کہ بامحل تکفیر اور بے محل تکفیر میں فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس ہمارے مخالفین کے شعار پر سب کافر یا سب مسلم کی اندھا دھند پالیسی نہیں اپناتے۔بعض لوگ قطعی اور ظنی کفر (یعنی التزامِ کفر ولزوم کفر) کا فرق تک نہیں سمجھتے، مگر وہ دوسروں کو کافر کہتے پھرتے ہیں، جب کہ کسی کو کافر قرار دینے کا فیصلہ صرف اور صرف فقہا کر سکتے ہیں، ورنہ اس کے مفاسد بالکل واضح ہیں۔

''وَلَا عِبْرَۃَ بِغَیْرِ الْفُقَھَآءِ''(فتح القدیر وفتاویٰ شامی)

یعنی یہ تلوار غیر فقہا کے ہاتھ میں نہیں دی جاسکتی، ورنہ اندھادھند بےقصور لوگوں کی گردنیں کٹیں گی۔کسی مسلمان کو ناحق کافر قرار دینا حدیث کی رُو سے بہت سخت گناہ ہے، اور ایسی صورت میں یہ وبال اُسی کافر کہنے والے پر لوٹے گا۔مفتیانِ کرام جب کسی قول کو کفریہ قرار دیتے ہیں، تو عموماً یہ لزُومِ کفر ہوتا ہے، جب تک قائل پر اِتمامِ حجّت نہ کرلی جائے، التزامِ کفر سے گریز لازم ہے۔ہمارا یہ بھی مشورہ ہے کہ موجودہ دور کے مفتیانِ کرام تکفیری فتویٰ جاری کرنے سے پہلے اپنے عہد کے دیگر ثقہ مفتیانِ کرام سے مشاورت ضرور کرلیا کریں۔

وہ واعظین ومقررین جنہوں نے افتا کی باقاعدہ تربیت حاصل نہیں کی، انہیں کسی بھی قسم کے فتوے خاص طور پر کفر کے فتوے جاری کرنے کی اجازت نہیں ہے، خواہ قولاً ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔اگر وہ اپنی روش تبدیل نہیں کرتے تو وہ حدیث پاک کی اس وعید میں شامل ہیں:

﴿مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہُ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ﴾(سنن ابوداؤد)

ترجمہ: جس کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا، (غلط فتوے پر عمل کرنے کی صورت میں) اُس کا وبال اُسی فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

بعض لوگ گزشتہ مسلّم بزرگ شخصیات کی عبارات پر گرفت کرنے کے شوق میں مبتلا ہیں۔اول تو انہیں ان عبارات کے صحیح محمل کی خبر نہیں ہوتی۔اگر ان عبارات کی کوئی صحیح تاویل ممکن ہوتو ایک عام مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس کی محتمل عبارت کو صحیح معنی پر محمول کرنا واجب ہے، پس مسلّم بزرگ شخصیت کی ذات پر بلاسبب طعن شروع کردینا کتنا برا ہوگا اور اگر بالفرض ان عبارات کی کوئی صحیح تاویل ممکن نہ ہو تو انہیں بعد والوں کا الحاق قرار دیا جائے گا۔

اہلِ مغرب نے ماضی قریب میں اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کے فریضے سے علمائے حق کو دستبردار کرنے اور''سب کچھ جائز ہے''

کی روش کو قبولیت دینے کے لیے تصوف کی آڑ میں ایک شعوری تحریک برپا کی، اِسی کو صُلحِ کلیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اور گزشتہ تین عشروں کی دہشت گردی کی آڑ لے کر مسلمانوں کو جہاد کے اصول سے دستبردار کرنا بھی مقصود تھا، ہم ایسی تحریکوں کے ہمنوا نہیں بن سکتے، کیونکہ شرعی جہاد ہمارے عقیدے اور دین کا حصہ ہے، جس کی تفصیلی شرائط فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ اصول بھی نا قابلِ تسلیم ہے کہ صرف وہ یہودی اور عیسائی کافر تھے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا، بعد والے یہود و نصاریٰ کافر نہیں، یہ بھی تلبیسِ ابلیس ہے۔اسی طرح عالمی سطح پر یہ تقسیم کہ مطلق کفار ومشرکین ایک زُمرے میں ہیں اور یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ دوسرے زُمرے میں ہیں، جنہیں مومنین (Believers) سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ تعبیر وتشریح قرآنِ مجید کی صریح اور قطعی آیات کے خلاف ہے، اس لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔قرآنِ مجید نے سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ میں اہلِ کتاب کو کفار ومشرکین کے زُمرے میں شامل فرمایا ہے اور یہی امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

﴿وَاَنَّ مَنْ لَّمْ یُکَفِّرْ مَنْ دَانَ بِغَیْرِ الْاِسْلَامِ کَالنَّصَارٰی اَوْ شَکَّ فِیْ تَکْفِیْرِھِمْ اَوْ صَحَّحَ مَذْھَبَھُمْ فَھُوَ کَافِرٌ﴾ (الاعلام بقواطع الاسلام ص 164)

ترجمہ: اور یہ کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنے والوں کی جو تکفیر نہ کرے، جیسے نصاریٰ یا اُن کے کفر میں شک کرے یا اُن کے مذہب کو صحیح مانے، تو وہ کافر ہے۔

کسی کو اہل سنت سے خارج کہنے کا اصول: اس امت کا اجماع حجت ہے، لہٰذا اجماعی اور جمہوری عقیدے کا منکر بھی ”مَنْ شَذَّ شَذَّ فِی النَّار“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم)، کا مصداق ہے۔آزاد خیالی کا پہلا زینہ اجماع اور جمہور کی مخالفت ہے۔اجماعی مسئلہ وہی ہے جس کی تصریح معتبر علمائے امت نے کی ہے۔جو کوئی ان تصریحات کا اعتبار نہ کرے اور بزعمِ خویش پوری امت کا مقتدا بن بیٹھے، وہ دراصل اجماع کی حجیت کا منکر ہے اور امت میں فساد کا سبب ہے۔مُتَنَبِّی قادیان (قادیانیوں کے جھوٹے نبی) کا طریقہ واردات بھی یہی تھا۔

قرآن کی آیات، صحیح احادیث اور اجماعِ امت کے مقابل ابن ہشام اور ابن عساکر کی موضوع روایات اور مرجوح اقوال کو پیش کرنا اور اپنے تصورِ عشق کو دینی مُسلَّمات پر ترجیح دینا اور عقلی چٹکلے بیان کرنا حرام و ناجائز اور دین کو منہدم کرنے کے مترادف ہے، جس کے نتیجے میں قرآن وسنت اور شرعی محکمات ومُسلَّمات سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

اہل سنت و جماعت نے روافض سے اپنا امتیاز یہ بتایا ہے۔

”اَنْ تُفَضِّلَ الشَّیْخَیْنِ وَ تُحِبَّ الْخَتَنَیْنِ وَ تَمْسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ“ یعنی حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل مانو اور حضرات عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرو، اور موزوں پر مسح جائز مانو۔(شرح عقائد نسفی - التمہید لابی الشکور السالمی - تکمیل الایمان - فتاویٰ رضویہ)

اس کے مقابل فضیلت کا کوئی اور معیار اور اصول قرار دینا اہل سنت و جماعت کے طریقے کے خلاف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

”وَاَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اَبُوْبَکْرِ اَلصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ“

(شرح ملا علی القاری علی الفقہ الاکبر ص 61)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

تفضیلی اہل سنت سے خارج ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس امت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ماننا اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔اس کے برخلاف کسی اور صحابی خواہ حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ماننا اہل سنت سے باہر نکلنا اور روافض کی وادی میں قدم رکھنا ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا: زید کی والدہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے برابر کسی صحابی کا رتبہ نہیں،تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: زید کی والدہ عقیدہ مذکورہ کے سبب اہل سنت سے خارج اور ایک گمراہ فرقے تفضیلیہ میں داخل ہے،جن کو ائمہ دین نے رافضیوں کا چھوٹا بھائی کہا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج21: ص152: رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اسی طرح یہ قول کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سیاسی خلیفہ بلافصل ہیں اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم روحانی خلیفہ بلافصل ہیں،اہل سنت و جماعت کے جمہور کے خلاف ہے۔اسی لیے اس طرح کے قول سے بچنا بھی لازم ہے کہ اس طرح کے اقوال ہی تفضیلیت کی بنیاد بنتے ہیں۔

منافقت کی علامات: اہل سنت کا تحقیقی شعار یہ ہے کہ تمام دلائل پر نظر رکھنے کے بعد فیصلہ کرتے ہیں،تاکہ انتشار اور افراط وتفریط کا دروازہ بند ہوجائے۔مثلاً تمام دلائل دیکھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ منافقت کی مندرجہ ذیل چار علامات ہیں:

سب سے پہلا اور بنیادی منافق وہ ہے جس کے دل میں نبی کریم کا بغض ہو۔سورۃ المنافقون انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔یہ لوگ کافر سے بھی بدتر ہیں اور دائمی عذاب میں رہیں گے۔

منافقت کی دوسری نشانی: خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا بغض ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر اور عمر کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان کا بغض کفر کی نشانی ہے (فضائل صحابہ از امام احمد بن حنبل)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا۔(سنن ترمذی)

انصار صحابہ کرام کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان کا بغض منافقت کی نشانی ہے۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

﴿قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهَ اللّٰهَ فِي اَصْحَابِي،لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي،فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ،وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ،وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي،وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ،وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ اَنْ يَاْخُذَهُ﴾ (سنن ترمذی)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار! میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو،میرے بعد انہیں ہدفِ تنقید نہ بناؤ،پس جس نے اُن سے محبت کی،اس کا مُحرِّک میری محبت ہے اور جس نے اُن سے بغض رکھا،اُس کا مُحرِّک مجھ سے بغض ہوگا اور جس نے اُن کو ایذا پہنچائی،اُس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی تو اُس نے اللہ کو ناراض کیا اور جس نے اللہ کو ناراض کیا تو عنقریب اللہ اُسے اپنی گرفت میں لے لے گا۔

منافقت کی تیسری نشانی: سیدنا علی اور اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا بغض ہے۔نبی کریم ا نے فرمایا: علی سے صرف مومن ہی محبت کرے گا اور صرف منافق ہی اُن سے بغض رکھے گا۔(صحیح مسلم)

میری محبت کا تقاضا ہے کہ میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(ترمذی)

ابوبکر،عمر،عثمان اور علی کی محبت اللہ نے تم پر لازم کردی ہے۔

(طبقاتِ حنابلہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے بغض رکھنے والا شخص

بھی گمراہ، بے دین اور جہنم کا حقدار ہے۔

منافقت کی چوتھی نشانی: امانت دی جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔(صحیح بخاری: صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے: جب معاہدہ کرے تو دھوکا دے۔ منافقین کی یہ علامات احادیث میں مذکور ہیں۔ ان سے مراد عملی منافق ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں چار خصلتیں موجود ہوں تو پھر تم دنیا کی کسی نعمت سے محروم ہونے پر ملال نہ کرو (۱) امانت کی حفاظت کرنا (۲) اچھے اخلاق (۳) سچ بولنا (۴) پاکیزہ کمائی (مسند احمد)

اهل بیت اطهار اور تمام صحابه کرام علیهم الرضوان کی تعظیم لازم

اہل سنت و جماعت کا شِعار رہا ہے کہ وہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، جمیع اہل بیتِ اطہار، امہات المومنین اور جمیع صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت کرتے ہیں، اُن سب کی تعظیم کرتے ہیں اور اُن کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ کسی ایک کی تعریف کا مطلب دوسرے کی تنقیص نہیں ہوتا، لیکن احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ ایک صحابی رسول کی تعریف کے ساتھ منجملہ دیگر صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی بھی تعریف کی جائے۔ امام اہل سنت نے حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار، اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

تعظیم اکابر کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا شعار یہی ہے۔ بعض لوگ محبت یا منقبت سے متعلق احادیث میں سے کسی ایک کے ساتھ تمسُّک اور دوسری کو نظر انداز کرنے کا شعار اختیار کر کے کج ذہن لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں یا غُلو اور اِفراط و تفریط کی طرف لے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی رُو سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی محبت و تعظیم لازم ہے، لیکن خود انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان تفضیلِ درجات کا فرق موجود ہے، اس کے باوجود کسی کی تنقیص کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان بھی درجات و مراتب کا فرق موجود ہے، لیکن کسی کی تنقیص و توہین کی اجازت نہیں ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔(فتاویٰ رضویہ، ج29: ص363: ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خطبائے اہل سنت کی ذمے داری ہے کہ عوام کے درمیان مُتَّفَقَات اور مُسلَّمات کو بیان کریں اور کسی عظیم شخصیت کی فضیلت اس انداز میں بیان نہ کریں کہ اُس کے مقابل اشارۃً، کنایۃً، استعارۃً اور توریہ و تعریض کے طور پر کسی دوسری شخصیت کی تنقیص یا اہانت کا پہلو نکلتا ہو۔ اس سے اہل سنت و جماعت میں تقسیم در تقسیم اور فساد کے شِعار کو نفوذ کرنے کا موقع ملتا ہے، لہٰذا بہر صورت اس سے اجتناب لازم ہے۔

بالفرض اگر کسی کے دل و دماغ میں تعصب سے ماورا ہو کر اپنی علمی دیانت کے مطابق کوئی تفرد یا تمیز ہے، تو ایسے اصحابِ علم پر لازم ہے کہ ان تفرُّدات کو اپنی ذات تک محدود رکھیں اور اجماعِ امت کی پیروی کو اپنا شِعار بنائیں۔ اکابر علما و فقہائے امت کے احترام کو ملحوظ رکھیں اور ہرگز ہرگز اسے عوام اہل سنت میں تفریق اور تقسیم در تقسیم کا ذریعہ نہ بنائیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بعض مسائل میں ہمارے بعض علما کی آرا کا تفرد ہے، اُسے عوام میں زیر بحث نہ لائیں۔ (جاری)

☆☆☆

رضویات

قسط اول

امام احمد رضا اور اکابر امت کا دفاع

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

زیر نظر تحریر میں ہم حضور اعلیٰ حضرت کی مختلف عبارتوں کے حوالے سے کچھ ایسے نکات اپنے قارئین کے سامنے حاضر کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جن کو اگر ہم لوگ اختیار کرلیں تو دنیا وآخرت کی بے پناہ سعادتیں ہمارا مقدر بن جائیں، اور آج بھی ایک دوسرے کے احترام کا ماحول بن سکتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی علمی خدمات کی تو ایک دنیا آباد ہے، مگر ان کی تحریروں کے بین السطور سے بہت سارے وہ امور اخذ کیے جاسکتے ہیں جن میں ہمارے لیے ڈھیر ساری نصیحتوں کے سامان موجود ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت کی ایک بڑی جہت ''مقتدر ہستیوں کی حرمتوں کے پاسبان'' کی ہے، اور ان کے نزدیک قابل قدر ہونے کے لیے کسی کا فقیہ، محدث، مجتہد اور امام ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کے لیے بس ''مومن'' ہونا ہی کافی ہے، آپ نے ایک مقام پر فرمایا کہ ایک مومن کی حرمت خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ اپنے ہر ہر فتوے میں آپ ''حرمتوں کے امین'' کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، اور آپ کے جتنے فتاویٰ بدمذہبوں کے رد میں ہیں ان کی بنیادی وجہ بھی انبیائے کرام و اولیائے عظام کی حرمتوں کی پاسبانی ہی ہے، کہ جس نے ان حضرات عالیہ کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا وہ آخر کس طرح کسی عزت واحترام کا حقدار ہوسکتا ہے؟۔ بلکہ ان بدمذہبوں کے خلاف آپ جو کچھ لکھتے ہیں وہ بھی ان کی شخصیات اور ذاتیات سے متعلق باتیں نہیں ہوتیں، بلکہ حرمتوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ گستاخیوں کا قلع قمع کرتے جاتے ہیں۔

ہم ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں کہ کسی بزرگ نے دوسرے بزرگ کے خلاف کوئی بات کہہ دی تو اعلیٰ حضرت نے کس طرح ان کا دفاع کیا ہے، اس کے لیے فی الحال ہمارے سامنے ''المعتقد المنتقد'' پر آپ کا حاشیہ ''المستند المعتمد'' ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اور امام احمد رضا

سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے عقائد پر ایک جامع کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''المعتقد المنتقد'' جس پر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے حاشیہ لکھا جس کا نام ہے ''المستند المعتمد''۔ ''المعتقد'' میں مصنف نے نبوت کے بیان میں دوسرا باب اس موضوع پر قائم کیا ہے کہ امت کو اپنے رسول کے تعلق سے کن امور سے بچنا ضروری ہے، یعنی توہین وتنقیص، سب وشتم وغیرہ۔ اس بیان میں ایک مقام پر مصنف نے قاضی عیاض کی شفا سے یہ روایت درج کی ہے کہ اموی خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا کہ میرے لیے ایک ایسا منشی تلاش کرو جس کا باپ عربی ہو، تو ان کے ایک محرر نے کہا: ''قد كان أبو النبي كافراً'' نبی علیہ السلام کے والد تو کافر تھے، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز ناراض ہوئے اور اسے یہ کہہ کر معزول کردیا کہ تم نے ایسی مثال پیش کی؟ اب تم میرے پاس کبھی لکھنے کا کام نہیں کرسکتے۔ اس پر ملا علی قاری نے شرح شفا میں لکھا کہ یہ اس کے مطابق ہے جو ہمارے امام ابوحنیفہ نے فقہ اکبر میں فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال کفر پر ہوا، آگے لکھا: لیکن اس جیسی بات کو عار دلانے کے لیے بیان کرنا جائز نہیں۔

(ملخصاً المعتقد صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور)

ملا علی قاری شرح شفا میں اس مقام پر مزید لکھتے ہیں: میں نے

اس مسئلے پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں امام سیوطی کے تینوں رسالوں میں موجود دلائل کا جواب دیا ہے اور ان کی تردید کر دی ہے۔

(شرح الشفاء ۲/۶۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سے ظاہر ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی والدین کریمین کے ایمان کے قائل ہیں اور اس موضوع پر ان کے رسالے اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، مگر حضرت ملا علی قاری اس کے خلاف ہیں اور اپنے موقف پر انھوں نے ایک رسالہ بھی لکھ دیا ہے۔ ان کے اس رسالے کو سلفی وہابی طبقہ نمایاں طور پر پیش کرتا ہے، کیونکہ اس سے ان کو گو ہر مقصود حاصل ہوتا ہے۔ المعتقد میں درج ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت پر اعلیٰ حضرت نے اپنے حاشیہ میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ خصوصاً شرح شفا میں ملا علی قاری کے اس قول نے کہ ''ہم نے امام سیوطی کے دلائل کو رد کر دیا ہے'' امام احمد رضا کے قلم کو والدین کریمین اور امام سیوطی کی حمایت میں رواں دواں کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ امام جلال الدین سیوطی فقہی اعتبار سے شافعی المذہب ہیں اور ملا علی قاری حنفی المذہب، اور یہ بھی حق ہے کہ ملا علی قاری نے فقہ حنفی کی تائید میں احناف کو بہت بڑا علمی ذخیرہ دیا ہے جن میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، اور کتاب المناسک کی شرح المسلک المتقسط، جیسی شہرۂ آفاق کتابیں ہیں اور امام احمد رضا کی حنفیت کا یہ عالم ہے کہ خود فرماتے ہیں کہ ردّ بد مذہباں کے بعد زندگی کا دوسرا بڑا کام مذہب حنفی کی تائید وحمایت ہے۔ مگر اس مقام پر چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا ایمان وکفر موضوع بحث ہے اور والدین کی حمایت میں امام سیوطی ہیں اور دوسری طرف ملا علی قاری ہیں اس لیے امام احمد رضا ملا علی قاری کی حمایت کی بجائے امام سیوطی کی کھل کر حمایت کرتے ہیں، بلکہ موضوع کی نزاکت کے سبب ملا علی قاری کی اس تحریری کاوش کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور شدت کرب کا اظہار لفظ لفظ سے ہوتا ہے۔ ہم ذیل میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تحریر کا خلاصہ المستند المعتمد سے درج کرتے ہیں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ایسا ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہرگز ثابت نہیں، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ درمختار کے حاشیہ میں کافر سے نکاح کے بیان میں فرماتے ہیں: اس میں بے ادبی ہے، اس سلسلے میں اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ دونوں (والدین کریمین) کفر سے محفوظ رہے، اور فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انجام کفر پر ہوا' یہ امام کی کتاب میں اضافہ کر دیا گیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے کئی معتمد نسخوں میں اس عبارت کا کوئی اتا پتا نہیں، امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ جو عبارت اس میں ہے وہ اصل میں ابوحنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی ہے' نہ کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کی، اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ امام کا ہی قول ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرات والدین کا انتقال زمانہ کفر میں ہوا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کفر سے متصف تھے، میرے نزدیک: ''**ماتا علی الکفر**'' کا مطلب ''**ماتا في زمن الکفر**'' کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض نسخوں میں یہ موجود ہے: ''**ورسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مات علی الایمان**'' اور خود ملا علی قاری کو 'فقہ اکبر' کی طرف اس دوسری عبارت کی نسبت میں شک ہے، جبھی تو فرمایا: ''**لعل مرام الامام علی تقدیر صحة ورود هذا الکلام الخ**'' تو والدین کریمین والی عبارت کی صحت پر یقین آخر کیوں؟، حالانکہ معتمد نسخے دونوں عبارتوں سے خالی ہیں۔

ثم اقول: یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح راجح کا فریضہ ادا کریں تو منتہائے استدلال بس ''ظن'' ہوگا' جو ہرگز اس درجہ کو نہ پہنچ سکے گا کہ اس کا مخالف پہلو دب جائے، کجا یہ کہ وہاں کوئی ''قطعی دلیل'' ہو، اور جس نے امام اعظم کی سیرت پاک کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اسے خوب معلوم ہوگا کہ آپ بغیر کسی قطعی دلیل کے اس جیسے امور میں نہیں پڑتے، ان کی شخصیت تو وہ ہے کہ کبھی عام آدمی کو کسی طرح کا الزام دیتے نہیں سنے گئے، کجا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ایسا کلام

کریں! وہ بھی ایسی شدت' کہ اسے عقائد کی کتاب میں درج کردیں۔ بالفرض اس روایت کا ثابت مان بھی لیا جائے تو یہاں یقیناً انقطاع باطنی ہوگا جو اس آلودگی سے ہمارے امام کی پاک دامنی کو ثابت کردے گا۔

(پھر ملاعلی قاری نے یہ کیا کہہ دیا کہ یہ قول امام کے موافق ہے) موافق تو اس بے ادب کاتب کا قول ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ رہا امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول' تو اس میں اس کی موافقت کی کوئی بات نہیں، بلکہ علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا کہ امیر المومنین کا قول تو اس کی تادیب اور سرزنش پر مبنی ہے تاکہ اس جیسے لوگ اس جیسی باتوں سے پرہیز کریں، اس میں تو والدین کریمین کے ایمان کی طرف اشارہ ہوا۔ امام ابن حجر نے فرمایا: یہی حق ہے بلکہ ایک حدیث میں ہے جسے متعدد حفاظ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کریمین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر زندہ کردیا اور وہ دونوں حضرات ان پر ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے، ایسا ان دونوں کے خصوصی مقام کے سبب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں فرمایا۔ الخ

اقول: (یہ اس لیے نہیں کہ ان کی موت کفر پر ہوئی تھی بلکہ) اس لیے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے اور اِس امت میں شامل ہوجائیں، رہا اصل ایمان تو انھیں وہ حاصل تھا۔ ملاعلی قاری نے منح الروض میں بھی امام اعظم کی طرف منسوب قول کو ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کا وصال ایمان پر ہوا، یا یہ کہ دونوں کی موت تو کفر پر ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ فرمادیا تو ان کی وفات عالم ایمان وایقان میں ہوئی۔

اقول: یہ تو اور عجیب بات ہے، خدارا بتائیں! اس قول میں دوبارہ زندہ کرنے کا انکار کہاں ہے؟ اور کون سا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے؟ بلکہ اس کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی ہو تو بتائیں! معاملہ یہ ہے کہ کسی بات سے دل لگ جائے تو عجیب عجیب ناکردنی سرزد ہوتی ہے۔

ملاعلی قاری نے کہا کہ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور امام سیوطی کے تینوں رسالوں میں اس کی تائید میں ذکر کردہ امور کو ایسے جامع دلائل سے رد کردیا ہے جو کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے ماخوذ ہیں۔

اقول: امام جلیل علامہ جلال الدین سیوطی کے اس مسئلہ میں تین نہیں بلکہ چھ رسالے ہیں، اور یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں، کیونکہ مکلفین کے افعال، حلال وحرام اور صحت وفساد سے متعلق نہیں، لہٰذا اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، جہاں تک اجماع کی بات ہے تو اس مسئلہ میں اجماع کہاں سے آیا؟ جب کہ اختلاف اس مسئلہ میں عام ہو چکا ہے، بلکہ حق تو وہ ہے جو امام سیوطی نے فرمایا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور دونوں طرف جلیل القدر ائمہ ہیں۔ رہی بات قرآن کی تو اس میں اس سلسلے میں ہرگز کوئی نص صریح موجود نہیں، اور اگر نص کا تعلق بعض ان باتوں سے ہو جو شان نزول میں ذکر کی جاتی ہیں تو اس کا مرجع تو حدیث ہوگا، اور بلاشبہہ حدیث ہی اس جیسے مسئلے کے لیے تنہا ماخذ ہے، اور امام سیوطی معرفت حدیث میں آپ سے زیادہ بلکہ آپ جیسی ایک جماعت سے بلند مقام اور ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ طرق حدیث، علل حدیث، رجال حدیث اور احوال حدیث میں ان کے مدارج بہت بلند ہیں، تو آپ کے لیے قبول کرلینا بہتر تھا، اور نہیں' تو معاملہ اہل بصیرت کو سپرد کرتے، ورنہ کم از کم سکوت وخاموشی آپ کے لیے بہر حال بہتر تھی۔ اور آپ نے جو یہ کہا کہ جامع دلائل سے امام سیوطی کا رد کیا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ آپ نے اس قول کو رد کرنے کی کوشش کی ہے جسے امام سیوطی نے جامع دلائل سے ثابت کردیا ہے، اس لیے کہ حقیقتاً امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو ایسے دلائل قاہرہ سے ثابت کردیا ہے کہ اگر مضبوط پہاڑوں پر رکھ دیے جائیں تو ریزہ ریزہ ہوجائیں۔ اس مسئلہ میں ہمارا بھی ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ''شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام''، جس میں ہم نے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا سے علما کے ذکر کردہ دلائل پر اضافہ کیا ہے، میری خواہش تھی کہ ملاعلی قاری کا رسالہ مل جاتا تو مجھے امید

ہے کہ میرا رب اس کا کافی وشافی جواب مجھ پر کھول دیتا، حاصل یہ کہ ہمارے اوپر بحمد اللہ تعالیٰ والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان پر ایسے روشن دلائل واضح ہوئے کہ کسی کے لیے مجال سخن اور شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، وللہ الحمد (ملخصاً مترجماً المعتمد المستند ۱۶۷ تا ۱۶۹ المجمع الاسلامی مبارک پور)

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی اس تقریر سے کئی باتیں کھل کر سامنے آئیں:

(۱) اختلاف برائے اختلاف نہیں بلکہ حمایتِ حق میں ہونا چاہیے۔

(۲) جب معاملہ احقاق حق کا ہو تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ کون فقہ میں ہمارا ہم مذہب ہے اور کون نہیں، جس نے مثبت پیغام دیا اس کی حمایت ہونی چاہیے خواہ وہ کسی خیمے کا ہو، اور جس کے کلام سے منفی پیغام جارہا ہو اس کا رد ہونا چاہیے خواہ وہ اپنے خیمے کا ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) امام احمد رضا کی کشادہ ظرفی کا عالم یہ ہے کہ علم حدیث میں امام سیوطی کے مدارج کی بلندی کا کھل کر اعلان کرتے ہیں اور صرف ملا علی قاری پر نہیں بلکہ ان کے ہم رتبہ علما کی ایک جماعت پر تنہا امام سیوطی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۴) المعتقد کے مصنف علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے اس مقام پر ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت بلا تبصرہ نقل کردی ہے، اس پر اعلیٰ حضرت' مصنف کے سکوت پر سوالیہ نشان قائم کر سکتے تھے، مگر ایسا کرنے کی بجائے اسے محشی کا کام سمجھ کر خود انجام دیتے ہیں، اور اسی تفصیل میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری نے تو شرح شفا میں کچھ اور بھی لکھا ہے جسے مصنف نے اس لیے چھوڑ دیا کہ انھیں وہ بات پسند نہ آئی۔(**وذكر نحوه ههنا في شرح الشفاء قد حذفه المصنف العلام قدس سره لانه لم يعجبه أمره**) یہ اکابر سے متعلق اعلیٰ حضرت کے حسن ظن کی اعلیٰ مثال ہے، اور یہ بات اس حاشیہ میں جگہ جگہ نظر آتی ہے کہ کسی مقام پر مصنف نے متن میں کوئی بات ایسی ذکر کردی جس کی تقیید یا تردید ضروری تھی جو انھوں نے نہ کی تو "**کم ترک الاولون للآخرین**" کی قبیل سے قرار دے کر اسے اکابر کی عنایت سمجھا کہ یہ کام انھوں نے ہمارے لیے چھوڑا۔ آج کے محققین کے لیے یہ نشانِ راہ ہے جو تحقیق کے نام پر اکابر کی تغلیط کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔

(۵) ملا علی قاری کے علمی مقام کا انکار نہیں کیا جاسکتا، ان کی ''المسلک المتقسط'' کو اگر علمی ذخیرے سے نکال دیا جائے تو ہمارے مفتیان کرام حج وعمرہ سے متعلق سیکڑوں مسائل حل کرنے سے عاجز رہ جائیں۔ اس کے باوجود ان سے اگر ایسا قول سرزد ہو جو منفی پیغام دے اور ان سے بہت بڑے امام الشان السیوطی کا رد وانکار ہو تو انھیں مسئلے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ آپ کے لیے اس مسئلہ میں تین آپشن ہیں، یا تو قبول کرلیں، یا بڑوں کے حوالے کردیں یا خاموش ہوجائیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: **فكان الأسلم لكم القبول والا فالتسليم والا فالسكوت**۔

(۶) بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے متعلقین کے خلاف ہو تو کسی کے قول کی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں، اور قائل کی علمی گرفت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بات اعلیٰ حضرت نے مذکورہ مسئلے میں ملا علی قاری پر سخت علمی گرفت کر کے واضح کردی ہے۔

(۷) معتبر ومقبول شخصیات پر ضروری گرفت اسی قدر ہو جتنی لازمی ہے، نہ یہ کہ مخالفت کا بیڑا اٹھالیا جائے اور اس مقام کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی اس کا ذکر جاری وساری رکھا جائے، بلکہ اسے حمایت حق کی علامت بنانے کا ماحول بنایا جائے، اور تفسیق وتضلیل کی راہ ہموار کی جائے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے المعتمد المستند ۱۳۲۰ ہجری میں لکھی ہے، اور آپ کا وصال ۱۳۴۰ ہجری میں ہوا، اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آخر کے بیس سالوں میں اعلیٰ حضرت نے ملا علی قاری کا ذکر کس انداز میں کیا ہے تو واضح ہوجائے گا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے علمی اختلاف کو کس حد تک رکھا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی اور امام احمد رضا

علامہ فضل رسول بدایونی نے المعتقد کا خاتمہ ایمان سے متعلق کچھ ضروری مباحث پر کیا ہے جس میں یہ بحث بھی کی ہے کہ عقائد میں اجتہاد واختلاف کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس بحث کا بنیادی ماخذ امام بن ہمام کی مسایرہ اور قاضی عیاض کی شفا ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے:

جمہور فقہا و متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصول دین یعنی عقائد میں اختلاف جائز نہیں اور اگر وہ اصولی مسئلہ ضروریات دین سے ہو تو مخالف کافر ہوگا ورنہ فاسق اور مبتدع ہوگا۔ اس لیے کہ اصول میں عین حق تک پہنچنا واجب ہے اور اس کے مقابل اجتہاد کے گنجائش نہیں۔ قاضی عیاض نے شفا میں فرمایا کہ عنبری معتزلی کا مذہب اس کے خلاف یہ ہے کہ اصول دین میں اجتہاد کرنے والوں کے ایسے اقوال درست وصواب ہیں جن میں تاویل کی گنجائش ہو یا اس میں صریح نص وارد نہ ہوئی ہو۔ ایسا ہی قول داؤد ظاہری کا بھی ہے۔ اس قول کے ذریعہ اس نے پوری امت سے الگ راہ نکالی ہے، کیوں کہ امت کا اجماع ہے کہ اصول دین میں حق ایک ہے اور اس میں خطا کرنے والا مجرم اور گنہگار رہے، اختلاف ہے تو اس کی تکفیر میں ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی ایک گروہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے اصول دین میں اجتہاد اور اس کی تصویب کا قول ہر اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو علم الٰہی میں طلب حق کی وسعت وصلاحیت رکھتے ہوں خواہ مسلمان ہوں یا کافر، ایسا ہی جاحظ اور ثمامہ معتزلی نے بھی کہا ہے، کہ بہت سارے سادہ لوح عوام، کم عقل لوگ، عورتیں، نصاریٰ اور یہود کے پیروکار وغیرہ ایسے ہیں کہ ان کے خلاف اللہ کے لیے حجت نہیں، کیوں کہ ان پاس وہ صلاحیت نہ تھی جس سے وہ استدلال کرسکیں۔ یہاں قاضی عیاض لکھتے ہیں:

”وقد نحا الغزالي قريبا من هذا المنحى في كتاب التفرقة“ یعنی امام غزالی نے اپنی کتاب التفرقۃ میں تقریبا یہی راہ اختیار کی ہے۔ (ملخصاً المعتقد المنتقد صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۵ / المجمع الاسلامی مبارک پور)

علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے معتقد میں قاضی عیاض کا قول بلا تبصرہ نقل کیا ہے، امام غزالی کا علمی پایہ خصوصاً علم کلام اور معقولات میں اتنا بلند ہے کہ ان کے مقامات کا انکار نہیں کیا جا سکتا، انھیں اکابر علما اور متکلمین نے حجۃ الاسلام کے ٹائٹل کے ساتھ یاد کیا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اس مقام پر سکوت مناسب نہیں سمجھتے اور پوری تفصیل سے امام غزالی کا دفاع کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلام کو آسان پیرایہ میں درج کرتے ہیں، جسے اصل عبارت کا شوق ہو وہ ان کے حاشیہ میں اس مقام کا مطالعہ کرے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اپنے حاشیہ المستند المعتمد میں فرماتے ہیں:

قاضی عیاض پر اللہ رحم فرمائے اور ان کے صدقے میں ہم پر بھی رحم فرمائے، یہ تو معاصرانہ منافرت کا نتیجہ ہے، ورنہ امام حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدس سرہ کا دامن اُس سے پاک ہے جو کچھ لوگوں نے ان کے کلام سے کشید کیا ہے۔ امام ابن حجر مکی مذکورہ عبارت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام غزالی نے تو اپنی کتاب ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں صراحۃً وہ بات ارشاد فرمائی ہے جس سے اس کا رد ہوتا ہے، اور ان کی مذکورہ عبارت بشرطیکہ ان کی عبارت ہو کیونکہ ان کی کتابوں میں غلط طور پر کچھ عبارتیں حاسدین نے بڑھادی ہیں؛ پھر بھی اس عبارت کا وہ مفہوم نہیں جو مصنف نے سمجھا ہے، بلکہ اس کے قریب بھی نہیں، ان کی عبارت یہ ہے: ”**وصنف بلغهم اسم محمد صلى الله عليه وسلم ولم يبلغهم مبعثه ولاصفته بل سمعوا به ان (......) يقال له فلان ادعى النبوة فهؤلاء عندى من الصنف الاول اى من الذين لم يسمعوا اسمه اصلاً فانهم لم يسمعوا ما يحرك داعية النظر انتهى.**“

(ترجمہ) اور ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جنھیں حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور آپ کی بعثت کی خبر نہ پہنچی اور ان کے اوصاف کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا، بلکہ انھوں نے ان کے بارے میں یہ سنا کہ (یہاں اصل نسخے میں ''کذاب'' کالفظ ہے جسے اعلیٰ حضرت نے کراہۃً ترک کردیا) فلاں نامی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' ایسے لوگ میرے نزدیک اسی پہلے گروہ کے حکم میں ہوں گے جنھوں نے سرے سے ان کا نام ہی نہ سنا، کیوں کہ انھوں نے کوئی ایسی بات ہی نہ سنی جو انھیں غور وفکر پر آمادہ کرتی۔

اس کلام پر غور کریں تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ان لوگوں کو اس لیے معذور قرار دیا ہے کہ انھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہیں ملی۔ یہ ان گمراہ معتزلہ کی سی بات تو نہیں۔ ابن السبکی وغیرہ نے کہا کہ امام غزالی سے کوئی بغض رکھے تو یا تو وہ حاسد ہوگا یا گمراہ ''**لایبغض الغزالي الا حاسد أو زنديق، انتهى كلام ابن حجر**''

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں امام قاضی عیاض کے اس قول کے بارے میں لکھا: یہ درست بات نہیں، امام غزالی اس جیسی بات سے بری ہیں، بلکہ کتاب التفرقۃ میں اس کے خلاف ہے۔ پھر انھوں نے اس کی تفصیل کی ہے اور امام غزالی کا وہ کلام درج کیا ہے جو اس قول باطل کا شدید رد کرتا ہے، تو ان کی طرف ایسی بات کیسے منسوب کی جاسکتی ہے جس کا وہ خود شدید انکار کرتے ہیں؟۔

امام غزالی کے شاگرد امام ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ: میری ملاقات امام غزالی سے اس حال میں ہوئی کہ پیوند لگے کپڑے پہن کر طواف کر رہے تھے، میں نے کہا: اے شیخ! اس سے بہتر آپ کے لیے علم وتدریس ہے، آپ تو قائد ومقتدیٰ ہیں اور آپ سے علم ومعرفت کی روشنی حاصل کی جاتی ہے، اس کے جواب میں امام غزالی نے چند اشعار پیش کیے جن سے اپنے اندورن میں ایک روحانی انقلاب اور فلسفہ کی تاریکیوں سے معارفِ الٰہی کی طرف سفر کا اشارہ تھا۔ ان اشعار کو درج کرنے کے بعد علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ: جس کی آپ بیتی یہ ہو اس کے بارے میں کیسے گمان ہوسکتا ہے کہ انھوں نے فلاسفہ کے خرافات کی اتباع کی ہو، حالانکہ ان کی ''تہافت الفلاسفہ'' اور ''احیاء العلوم'' تو فلاسفہ کا کھلا رد ہیں۔

بعض مشائخ نے امام غزالی کو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک ایسے شخص کی شکایت کر رہے ہیں جو ان کو طعن کرتا ہے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسے کوڑوں کی سزا کا حکم دیتے ہیں، وہ بیدار ہوا تو اس کے بدن پر کوڑوں کے نشانات اور تکلیف تھی، اھ

امام غزالی کے تعلق سے ایک عجیب وغریب واقعہ وہ ہے جسے نسیم الریاض میں امام عارف باللہ سیدنا ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کے حوالے سے نقل فرمایا، امام شاذلی فرماتے ہیں کہ میں مسجد اقصیٰ کے اندر لیٹ گیا، تو (خواب میں دیکھا کہ) بہت زیادہ لوگ فوج درفوج داخل ہوئے، میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں؟ بولے: انبیا ومرسلین علیہم السلام کی جماعت ہے، یہ اس لیے آئے تا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسین حلاج کی سفارش کریں' کہ اُن سے بے ادبی سرزد ہوگئی، میری نظر ایک تخت پر پڑی جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف فرما ہیں اور تمام انبیائے کرام مثلاً حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ونوح علیہم الصلوات والسلام زمین پر تشریف فرما ہیں، میں کھڑا دیکھنے اور ان کی بات سننے لگا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا اور عرض کی: آپ نے کہا ہے کہ میری امت کے علما بنو اسرائیل کے انبیا کی مانند ہیں، مجھے ان میں سے کوئی ایک دِکھائیں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امام غزالی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: یہ ہیں، چنانچہ امام غزالی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سوال کیا' جس کے انھوں نے دس جواب دیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ سوال اور جواب میں مطابقت ہونی چاہیے، سوال تو ایک ہے اور جواب دس ہے۔ تو امام غزالی نے عرض کی: آپ سے سوال ہوا: تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور آپ کا جواب تھا: یہ میری لاٹھی ہے، پھر آپ نے کئی صفات شمار کرائیں (یعنی آپ نے بھی ایک سوال کے کئی جوابات دیے تھے)۔ امام شاذلی قدس سرہ فرماتے

ہیں: میں ابھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ آپ تو تخت پر تنہا جلوہ فرما ہیں اور باقی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام زمین پر تشریف فرما ہیں کہ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پاؤں سے سخت ٹھوکر ماری، میں بیدار ہوگیا، دیکھا کہ مسجد اقصیٰ کا منتظم ہے جو قندیلیں روشن کر رہا ہے، اس نے کہا: تعجب نہ کرو، بیشک سب ان کے ہی نور سے بنے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ امام شاذلی فرماتے ہیں: میں تو بیہوش ہوکر گر پڑا، جب نماز کی اقامت ہوئی مجھے افاقہ ہوا، میں نے اس کے بعد اس منتظم کو تلاش کیا لیکن وہ آج تک نہ ملا، انتہیٰ۔

آخر میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: میں نے حجۃ الاسلام امام غزالی کی حمایت میں یہ سب اس امید کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقے بروز قیامت میری مدد فرمائے **یوم لاینفع مال ولابنون الا من أتی اللّٰہَ بقلب سلیم وحسبُنا اللّٰہُ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**۔ (ملخصاً المستند المعتمد صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۷ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور)

اس پوری تقریر کے بعد یہاں چند باتیں نوٹ کرنے کے لائق ہیں:

(۱) ایک طرف قاضی عیاض کی شخصیت ہے جن کی شہرۂ آفاق تصنیف اہل سنت وجماعت کے اصولی نظریات کا بنیادی ماخذ ہے، جس کے سبب ان کی ذات ہم اہل سنت کے سر کا تاج ہے۔ دوسری طرف حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ کی ذات ہے جنھوں اپنی انقلاب آفریں زندگی میں اصول دین اور معارف ربانی کی دولت بکھیر اس سے امت کو مالا مال کر دیا ہے، جس کے سبب پوری امت ان کی دست نگر اور زیر بارِ احسان ہے۔ اب قاضی عیاض جیسی عظیم شخصیت امام غزالی جیسی عظیم ہستی کے بارے میں کچھ ایسی بات کہے جو قطعاً غیر مناسب ہو تو اس کا بہترین محمل یہ ہے کہ یہ معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہے اور بس۔ اس سے زیادہ قاضی عیاض کے بارے میں کچھ نہیں کہا جانا چاہیے۔

(۲) قاضی عیاض کی عظمتوں کے سبب ایسا نہ ہو کہ انھوں نے امام غزالی کے بارے میں جو کچھ کہہ دیا اسے من وعن تسلیم کرلیا جائے، اور نہ ہی امام غزالی کے مقامات کے سبب کوئی ایسا رویہ درست ہے کہ امام قاضی عیاض کی کردار کشی شروع کر دی جائے، اس مقام پر امام احمد رضا قدس سرہ قاضی عیاض کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے اختلاف کے آداب کا یوں لحاظ کرتے ہیں کہ اپنی گفتگو کے شروع میں ہی انھیں ''مولانا الامام'' کہہ کر ان کو اپنی دعا کا وسیلہ بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مولا امام قاضی عیاض پر رحم فرمائے اور ان کے صدقے میں ہم پر بھی کرم فرمائے: ''**رحم اللّٰہُ مولانا الامام القاضي ورحمنا بہ یوم القضاء والتقاضي**''۔ جس سے اختلاف کیا جائے اس سے پہلے اس کی بارگاہ میں نیازمندی کے پھول نچھاور کر دیے جائیں تا کہ مقامات کا لحاظ پاسِ خاطر رہے، اور کوئی کم عقل اس کو بنیاد بنا کر نفرت کی سوداگری نہ شروع کر دے۔

(۳) امام غزالی عقیدۃً اشعری اور مذہباً شافعی ہیں، یعنی فقہی اور کلامی دونوں اعتبار سے اعلیٰ حضرت کے ہم مذہب نہیں ہیں، اس کے باوجود اعلیٰ حضرت نے ان کے دفاع کے لیے اپنے اور ان کے مابین وجہِ امتیاز پر نظر رکھنے کی بجائے وجہِ اشتراک پر نظر رکھی، کہ امت کی ایک عظیم ہستی پر غلط طور پر کوئی بات منسوب ہوجائے یہ اعلیٰ حضرت کو گوارا نہیں ہے، ورنہ ایسی بات کو آسانی سے یہ کہہ کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا کہ ایک بزرگ نے دوسرے ہم عصر بزرگ پر چوٹ کی ہے، اس سے ہمارا کیا بگڑتا ہے جو ہم اس میں کود پڑیں۔ نہیں، بلکہ اسلاف امت کی عزت وناموس اور حمایت حق کا جذبہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ جو حق بات ہے وہ بیان کریں، اور اس شان سے کہ دونوں شخصیات میں سے کسی کی شان کی تنقیص نہ ہو، اور نہ ہی بعد میں آنے والوں کو اکابر کی توہین کرنے کا مزاج دیا جائے۔☆ (جاری) ☆

بحث وتحقیق

قسط دوم

شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض ونقد

از: مفتی ازہار احمد امجدی ازہری

شیعہ امامیہ کے نزدیک عدد رواۃ (راویوں کی تعداد) کے اعتبار سے حدیث کی دو قسمیں ہیں: حدیث متواتر، حدیث آحاد۔ ذیل میں دونوں قسموں کی تفصیلات رقم کی جاتی ہیں۔

حدیث متواتر: تعریف وتوضیح

حدیث متواتر کی لغوی تعریف: ایک کا ایک کے بعد آنا اس طور سے کہ دونوں کے درمیان تھوڑا فصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ثم أرسلنا رسلنا تترى﴾ (سورہ مؤمنون: ۲۳، آیت: ۴۴)

حدیث متواتر کی اصطلاحی تعریف: ایک جماعت کی خبر جو کثرت میں اتنے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو، اور ان کی خبر علم (یقین) کا فائدہ دے، اگرچہ اس کثرت کے علم (یقین) کا فائدہ دینے میں لوازم خبر کا بھی دخل ہو۔ (مقباس الهداية فى علم الرواية، ج۱ص۸۸)

شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث متواتر کے تحقق کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) حدیث کے راوی اتنے زیادہ ہوں کہ عادۃ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو (۲) جس چیز کے بارے میں خبر دیں اس کی بنیاد محض گمان پر نہ ہو، بلکہ اس کے بارے میں ان کو علم بھی حاصل ہو (۳) حدیث کی خبر دینے میں ان کا مستند ''احساس'' ہو (۴) حدیث کے بیان کرنے میں طرفین اور واسطہ سب برابر ہوں، یعنی سب کو جس چیز کی خبر دی جا رہی ہے، اس کا علم ہو، البتہ پہلے طبقے کا علم بطور مشاہدہ ہوگا اور دوسرے وتیسرے طبقے کا علم تواتر کے ذریعہ ہوگا۔

(مقباس الهداية فى علم الرواية، ج۱ص۱۰۹)

شیعہ امامیہ کے بعض دیگر علما نے حدیث متواتر کے تحقق کے لیے کچھ مزید شرطیں رکھی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) ان میں سے بعض نے اسلام اور عدالت کی شرط رکھی ہے (۲) بعض نے کہا: ایک ہی ملک کے نہ ہوں اور نہ ہی ان کی عدد متعین ہو، مگر یہ شرط فاسد ہے؛ کیوں کہ اگر ایک ملک کے لوگ اپنے بادشاہ کے قتل کی خبر دیں تو یقیناً ان کی یہ خبر علم (یقین) کا فائدہ دے گی (۳) بعض نے اختلاف نسب کی شرط لگائی ہے، اس شرط کا باطل ہونا واضح ہے (۴) بعض نے خبر دینے والوں میں معصوم علیہ السلام کے وجود کی شرط لگائی ہے، مگر یہ شرط بھی باطل ہے؛ کیوں کہ ان کے بغیر بھی علم کا تحقق ہو جاتا ہے۔

(مقباس الهداية فى علم الرواية، ج۱ص۱۱۰)

عدد کی تعیین جو تواتر کا فائدہ دیتا ہے: اکثر شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر متواتر کے متعلق علم کا فائدہ دینے میں مخصوص عدد کی شرط نہیں، اس باب میں معیار یہ ہے کہ جس کثرت سے علم کا تحقق ہو جائے، وہی حدیث متواتر ہے۔

(مقباس الهداية فى علم الرواية، ج۱ص۱۱۰)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مذہب اصح یہ ہے کہ حدیث متواتر کے تحقق کے لیے عدد معین کا اعتبار نہیں''

(تدریب الراوی، ج۲ص۱۷۶)

حدیث متواتر اور علم ضروری کا

افادہ: حدیث متواتر علم ضروری (یقینی اور بدیہی علم) کا فائدہ دیتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شیعہ امامیہ کے علما کا اختلاف ہے۔ شیخ بہائی اور شیعہ کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ حدیث متواتر علم ضروری کا فائدہ دیتی ہے اور شیخ محمد بن محمد محسن بن مرتضیٰ شیعی (مؤلف کشف المقال فی معرفۃ الرجال) اور شیخ عبد اللہ بن حسن بن عبداللہ مامقانی نجفی (۱۲۹۰ھ-۱۳۵۱ھ) (مؤلف تنقیح المقال فی علم الرجال) نے حدیث متواتر کا علم ضروری یا علم نظری کے فائدہ دینے میں توقف اختیار کیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ متواتر کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو مبادی متواتر کے حصول کے بعد اضطراری طور پر کسی کسب کے بغیر حاصل ہوجاتی ہے، جیسے مشاہدات، ضروریات اور مکہ وغیرہ کا وجود۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسب کے بعد حاصل ہوتی ہے، جیسے مسائل علمیہ، جن میں کتابوں کو پڑھنے، علما سے ملاقات کرنے اور ان سے سماعت وغیرہ کے ذریعہ تتبع وجستجو کا حصول ضروری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تتبع اور خبر کی سماعت، نظر میں حصول رجحان کے لیے تدریجا ہوتا ہے، یہاں تک کہ تتبع کرنے والا حصول علم کے قریب تر ہوجاتا ہے، پہلے مقدمات کو دیکھتا ہے کہ یہ خبریں کس کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں اور کیا راویوں کی جماعت اتنی زیادہ ہے جن کا جھوٹ پر اتفاق نہیں ہوسکتا، اس کے بعد کہیں جا کر اس کو یقین حاصل ہوتا ہے اور یہ متواتر نظری ہے۔

(مقباس الھدایۃ فی علم الروایۃ، ج۱ص۱۱۰)

البتہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک حدیث متواتر صرف علم ضروری کا فائدہ دیتی ہے، جس میں کسی طرح شک وانکار کی گنجائش نہیں ہوتی، اسی لیے ان کے نزدیک حدیث کے تواتر کا ثبوت ہوجاتا ہے تو وہ اپنے سننے والے کو علم ضروری ہی کا فائدہ دیتی ہے۔

اقسام متواتر: شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث متواتر کی دو قسمیں ہیں: (۱) متواتر لفظی (۲) متواتر معنوی۔

متواتر لفظی کی تعریف: وہ حدیث ہے جس میں خبر دینے والوں کے الفاظ متحد ہوں۔ متواتر معنوی کی تعریف: خبر دینے والوں کے الفاظ متعدد ہونے کے باوجود الفاظ ایسے معانی پر مشتمل ہیں جو بطور تضمن یا التزام آپس میں مشترک ہوں اور ساتھ ہی کثرت اخبار کی وجہ سے اس قدرِ مشترک کے ذریعہ علم بھی حاصل ہوگیا ہو۔ (مقباس الھدایۃ فی علم الروایۃ، ج۱ص۱۱۵)

متواتر لفظی کی مثال: حدیث: ''**من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار**''۔ دلالت التزامی کے اعتبار سے متواتر معنوی کی مثال: مروی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے غزوۂ بدر میں کمال دکھایا، غزوۂ احد میں یہ بہادری دکھائی اور غزوۂ خیبر میں ایسا کارنامہ انجام دیا، ان میں سے ہر ایک حکایت امیر المؤمنین علیہ السلام کی شجاعت کو مستلزم ہے، اس کے متعلق کثرت حکایت کے پیش نظر ہم کہتے ہیں: علی علیہ السلام بہادر ہیں اور یہ قضیہ ہے جو معنوی ہے، خبر دینے والوں نے کثرت سے اس کے بارے میں خبر دی ہے؛ اس لیے اس کے متعلق خبر متواتر ہوگی۔

(مقباس الھدایۃ فی علم الروایۃ، ج۱ص۱۱۵)

حدیث متواتر کا وجود: لفظی متواتر احادیث کا وجود شیعہ امامیہ کے نزدیک کم ہے، جیسا کہ ان کے عالم شہید ثانی نے ''بدایۃ الدرایۃ'' میں اور ان کے بعض دیگر علما نے وضاحت کی ہے، مگر اس کے برعکس معنوی متواتر احادیث کا وجود بکثرت پایا جاتا ہے (مقباس الھدایۃ/مامقانی، ج۱ص۱۲)

ثانیا: حدیث آحاد، اسے کہتے ہیں جو حد تواتر تک نہ پہنچی ہو، اس کی چند اقسام ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

مستفیض، مشہور، عزیز، غریب:

حدیث مستفیض کی لغوی تعریف: یہ **فاض الماء یفیض فیضا و فیوضا** سے ماخوذ ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ اتنا زیادہ پانی ہوا کہ بہ گیا۔ حدیث مستفیض کی اصطلاحی تعریف: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر مرتبہ وطبقہ میں زیادہ ہوں۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک راجح مذہب کے مطابق حدیث مستفیض حدیث آحاد ہی کی ایک قسم ہے۔

(مقباس الهداية/ مامقاني، ج۱ص۱۲۸)

حدیث مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ یا بعض طبقہ میں تین سے زیادہ ہوں، جیسے حدیث: "**إنما الأعمال بالنيات**"۔ (مقباس الهداية/ مامقاني، ج۱ص۱۳۰)

حدیث عزیز: وہ حدیث ہے، جس کے راوی ہر طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔ (مقباس الہدایۃ/ مامقانی، ج۱ص۱۳۴)

حدیث غریب: شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث غریب کی دو قسمیں ہیں: (۱) غریب مطلق (۲) غریب لفظی۔

(۱) غریب مطلق: وہ حدیث ہے، جس کے روایت کرنے میں ایک راوی تمام طبقات یا بعض طبقات میں منفرد ہو، اور یہ تفرد ابتدائے سند یا سند کے اخیر میں ہو، اگرچہ سند کے تمام طبقات میں راوی متعدد ہوں۔

غریب مطلق کی دوسری تعریف: وہ حدیث ہے جس کی روایت کرنے میں راوی سند کی کسی جگہ میں متفرد ہو، اگرچہ اس راوی تک یا اس راوی سے متعدد طرق ہوں، پھر اگر یہ تفرد اصل سند میں ہو تو فرد مطلق، ورنہ فرد نسبی ہے۔

(مقباس الهداية/ مامقاني، ج۱ص۱۳۴)

پھر شیعہ امامیہ کے نزدیک غریب مطلق کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ حدیث ہے جس کی روایت کرنے میں ایک راوی اپنے مثل سے روایت کرنے میں متفرد ہو، اور یہ تفرد آخری سند تک ہو، مگر متن، صحابہ یا ان کے علاوہ کی ایک جماعت سے مشہور ومعروف ہو۔ (مقباس الہدایۃ/ مامقانی، ج۱ص۲۲۷)

دوسری قسم: وہ حدیث ہے جس کی روایت کرنے میں راوی متفرد ہو، پھر اس راوی سے کوئی ایک راوی روایت کرے اور اس کے بعد اس راوی سے کثیر جماعت روایت کرے، پھر اسی متفرد سے حدیث کا اخذ کرنا مشہور ہو جائے۔

(مقباس الهداية/ مامقاني، ج۱ص۲۲۹)

تیسری قسم: وہ حدیث ہے جس کا متن ایک جماعت سے مشہور ہونے کے باوجود اس کا راوی تمام مراتب میں ایک ہو۔

(مقباس الهداية/ مامقاني، ج۱ص۲۳۱)

(۲) غریب لفظی: وہ حدیث جو مشکل لفظ پر مشتمل ہو، اور لغت میں قلت استعمال کی وجہ سے اسے سمجھنا بعید ہو۔

(مقباس الهداية/ مامقاني، ج۱ص۲۳۱)

شیعہ امامیہ جس حدیث کو غریب لفظی کہتے ہیں، اہل سنت و جماعت کے نزدیک اسے غریب الحدیث کہا جاتا ہے، جس میں سند سے نہیں، بلکہ متن سے بحث ہوتی ہے، اور شیعہ امامیہ کے نزدیک جسے غریب مطلق کہتے ہیں، وہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک خبر آحاد کی تیسری قسم ہے۔

قبول و رد کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم: شیعہ امامیہ کے نزدیک قبول ورد کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں: صحیح، حسن، موثق اور ضعیف۔ شیعہ امامیہ کے یہاں یہ تقسیم ساتویں صدی ہجری کے نصف میں وجود پذیر ہوئی، ورنہ اس سے پہلے ان کے نزدیک قبول ورد کے اعتبار سے حدیث کی صرف دو قسم صحیح اور ضعیف تھی۔ شیعہ امامیہ کے ایک عالم محی الدین موسوی نے لکھا: حدیث کی چار قسمیں: صحیح، حسن، موثق اور ضعیف فقہا اور محدثین امامیہ کے نزدیک معروف نہیں تھیں، کیوں کہ ان کے نزدیک حدیث یا تو صحیح تھی جو قرائن سے متصف ہو، اور قطع یا معصوم علیہ السلام سے صدور کے وثوق کا

فائدہ دے، یا ضعیف تھی جو قرائن سے متصف نہ ہو۔

(قواعد الحدیث / موسوی، ص ۱۵)

شیعہ امامیہ کے شیخ جمال الدین احمد بن موسی حسنی جو ابن طاووس سے معروف ہیں، انہوں نے سب سے پہلے اس تقسیم کی ایجاد کی، جن کا انتقال سن ۶۷۳ھ میں ہوا۔

سید محسن امین نے لکھا: علمائے شیعہ میں سے شیخ جمال الدین احمد بن موسی بن جعفر حسنی نے فن حدیث کی جدید اصطلاح یعنی حدیث کی چار قسموں: صحیح، حسن، موثق اور ضعیف کی ایجاد کی۔ اس کی وفات ۶۷۳ھ میں ہوئی۔

(اعیان الشیعۃ / محسن امین، ج ۱ ص ۱۴۹)

شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث کی تقسیم کی علت:

شیعہ امامیہ کے شیخ محی الدین موسوی نے لکھا: جن علمائے شیعہ نے حدیث کی صرف دو قسم: صحیح اور ضعیف کی ہے، ان کی علت یہ ہے: (الف) تمام احادیث قرائن سے متصف ہونا، جن کے ذریعہ شریعت میں استدلال کیا جاتا ہے، وہ معصوم علیہ السلام سے صادر ہونے کی وجہ سے وثوق و قطع کا فائدہ دیتی ہیں، لہٰذا تمام احادیث حجت ہیں۔ اس لیے حدیث کی تقسیم باطل ہے، کیوں کہ تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ سند کے ضعف کی وجہ سے بعض حدیث حجت نہیں۔

(ب) ہمارے قدیم فقہا کے نزدیک وہی احادیث حجت ہیں جو انہیں قرائن سے متصف ہوں، لہٰذا رجال سند کے لحاظ سے تقسیم کرنا بدعت ہے، جس پر عمل کرنا حرام ہے۔

علمائے شیعہ امامیہ میں سے جن لوگوں نے حدیث کی چار قسمیں کی ہیں، ان لوگوں نے اس رائے کو پسند نہیں کیا، جس کی وجہ سے یہ لوگ مندرجہ بالا رائے کا رد بھی کرتے ہوئے نظر آئے:

پہلے دعویٰ کا رد کرتے ہوئے کہا: جن لوگوں کو معصوم علیہ السلام سے ان اخبار کے صدور کا قطعی علم حاصل ہوا، وہ ان کے حق میں حجت تھیں، اس لیے انہیں اسناد میں نظر کرنے کی ضرورت نہ پڑی اور حدیث کی تنویع و تقسیم ان کے نزدیک باطل قرار پائی، لیکن وہ لوگ جن کے نزدیک وہ قرائن متحقق نہیں ہوئے، ان کو احادیث کی سند میں غور وفکر کرنے اور ان انواع کی تلاش سے چھٹکارا نہیں۔

دوسرے دعویٰ کا رد کرتے ہوئے لکھا: قدیم علما کا ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانہ سے قریب ہونے کی وجہ سے ان سے احادیث کے صدور ہونے کا قطعی ثبوت حاصل کرنا آسان تھا؛ کیوں کہ اس پر کثرت سے قرائن موجود تھے۔ اس لیے انہیں رجال سند کے متعلق تفتیش کی حاجت نہ پڑی کہ خواہی نخواہی انہیں احادیث کی تقسیم کرنی پڑے، لیکن متاخرین علما کا ائمہ کے زمانہ سے دور ہونے کی وجہ سے ان پر وہ قرائن پوشیدہ رہ گئے؛ جس کی وجہ سے انہیں سند اور راویوں کی صفات کے لحاظ سے تقسیم کرکے، ان قسموں میں سے کونسی قسم دلیل کے قابل ہے، اس میں نظر کرنی پڑی۔ (قواعد الحدیث / موسوی، ص ۱۸)

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قبول و رد کے اعتبار حدیث کی تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف، لیکن متقدمین صرف دو ہی قسم: صحیح اور ضعیف کرتے تھے اور حسن کو صحیح میں ہی داخل مانتے تھے، اور جنہوں نے حدیث کی تین قسمیں: صحیح، حسن اور ضعیف کی ہیں، ان میں سے امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ ہیں، جن کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ ان سے اور دیگر علما سے امام خطابی رحمہ اللہ نے نقل کیا، جن کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی۔

یہ ان کی اصطلاحات ہیں اور اصطلاحات پر کوئی اعتراض نہیں؛ اس لیے ان اصطلاحات سے اہم ان کے معانی ہیں، جن کے تعلق سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ سطور میں کلام کریں گے۔ (جاری)

☆☆☆

قسط ششم

قومی مسائل

دستور ساز اسمبلی میں یونیفارم سول کوڈ پر نقد و جرح

طارق انور مصباحی

6/دسمبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستانی دستور ساز اسمبلی {Constituent Assembly of India} کی تشکیل ہوئی۔ابتدائی مرحلہ میں انڈین دستور ساز اسمبلی کے تین سو نواسی 389 ممبران تھے۔ان میں سے دو سو بانوے 292 ممبران کو صوبائی قانون ساز اسمبلیوں {Provincial Legislative Assemblies} نے منتخب کیا تھا،ترانوے 93 ممبران ہندوستانی شاہی صوبوں (Indian Princely States) کے نمائندہ تھے،اور چار 4 ارکان چار ریاستوں (اجمیر،مارواڑ،دہلی اور برطانوی بلوچستان) کے چیف کمشنرس {Chief Commissioners} کی نمائندہ تھے۔صوبائی قانون ساز مجلسوں کے منتخب کردہ 292 ممبران میں 208 ممبران کانگریس کے تھے،73 ممبران مسلم لیگ کے تھے اور 11 ممبران دیگر سیاسی پارٹیوں کے ممبران اور آزاد ممبران تھے۔یہ 292 ممبران ماہ اگست ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلیوں کے ذریعہ منتخب کئے گئے تھے۔یعنی یہ 292 ممبران بالواسطہ (Indirectly) منتخب ہوئے تھے۔

دستور ساز اسمبلی کی پہلی میٹنگ 9 دسمبر ۱۹۴۶ء کو ہوئی، پھر برطانوی وائسرائے ماؤنٹ بیٹین کی جانب سے 3 جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے پلان کے بعد پاکستان کے لیے ایک جداگانہ دستور ساز کمیٹی بنائی گئی۔اب ہندوستانی دستور ساز اسمبلی میں دو سو ننانوے 299 ممبران باقی رہ گئے۔برطانوی حکومت کی جانب سے ملک کی مکمل آزادی کا فیصلہ ہو جانے کے بعد 14/اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستانی مجلس قانون ساز کی میٹنگ میں آزاد ہندوستان کا دستور مرتب کرنے کے لیے مختلف قسم کی کمیٹیاں بنانے کی تجویز پیش کی گئی۔29/اگست ۱۹۴۷ء کو دستور کا مسودہ ترتیب دینے کے لیے ڈرافٹنگ کمیٹی {Drafting Committee} تشکیل دی گئی۔اس کمیٹی کے ارکان درج ذیل افراد تھے۔

(1) ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (۱۸۹۱ء-۱۹۵۶ء) چیئرمین آف ڈرافٹنگ کمیٹی {Dr. Bhim Rao Ambedkar}

(2) پنڈت گووند بلبھ پنت (۱۸۸۷ء-۱۹۶۱ء) سابق چیف منسٹر آف اترپردیش {Pandit Govind Ballabh Pant}

(3) کنیالال منک لال منشی (۱۸۸۷ء-۱۹۷۱ء) سابق ہوم منسٹر آف ممبئی {Kanaiyalal Maneklal Munshi*K.M.Munshi}

(4) الادی کرشنا سوامی ایر (۱۸۸۳ء-۱۹۵۳ء) سابق ایڈوکیٹ جنرل آف مدراس اسٹیٹ {Alladi Krishnaswamy Ayyar}

(5) این گوپال سوامی اینگر (۱۸۸۲ء-۱۹۵۳ء) سابق پرائم منسٹر آف جموں اینڈ کشمیر {N Gopalaswami Ayyangar}

(6) بی ایل متر سابق ایڈوکیٹ جنرل آف انڈیا {B L Mitter}

(7) محمد سعد اللہ (۱۸۸۵ء-۱۹۵۵ء) سابق چیف منسٹر آف آسام اینڈ ممبر آف مسلم لیگ {Mohammed Saadullah}

(8) ڈی پی کھیتان ممبر آف کھیتان بزنس فیملی {D P Khaitan}

(A) کچھ دنوں بعد بی ایل متر نے ڈرافٹنگ کمیٹی کی رکنیت سے استعفیٰ دیدیا۔اس کی جگہ مادھو راؤ {Madhav Rao} لیگل ایڈوائزر آف مہاراجہ آف وڈودرا کو رکن مقرر کیا گیا۔

(B) ڈی پی کھیتان کی موت کے بعد ٹی ٹی کرشنم آچاری {T T Krishnamachari} کو اس کی جگہ منتخب کیا گیا۔

(C) بنگل نرسنگ راؤ {Benegal Narsing Rau} کو دستوری مشیر {Constitutional Advisor} مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں بنگل راؤ کی تقرری جج کی حیثیت سے انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں ہوئی۔ انٹرنیشنل کورٹ میں راؤ کو پہلا انڈین جج ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انٹرنیشنل کورٹ میں اس نے ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۴ء جج کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔

ڈرافٹنگ کمیٹی نے 4 نومبر ۱۹۴۷ء کو آزاد ہندوستان کے جدید دستور کا مسودہ مجلس قانون ساز کو پیش کیا۔ اس پیش کردہ مسودہ پر قریباً تین سال تک بحث ہوتی رہی اور اس مدت میں قریباً دو ہزار چار سو تہتر (2,473) ترامیم و اضافات پر مباحثے ہوئے، اور غور وفکر کیا گیا، جبکہ کل سات ہزار چھ سو پینتیس (7,635) ترامیم وتجاویز پیش کی گئی تھیں۔ ہر ایک آرٹیکل اور اس کی ذیلی فرعیات پر غور وفکر کے بعد دستور ساز اسمبلی نے 26 نومبر ۱۹۴۹ء کو ''مجوزہ دستور'' کو منظور کر لیا۔ اس دستور کو منظور کرنے سے قبل (9 دسمبر ۱۹۴۶ء تا 26 نومبر ۱۹۴۹ء) دو سال گیارہ ماہ سترہ دن {2 Years, 11 Months & 17 Days} کی مدت میں گیارہ سیشن {Eleven Sessions} میں کل ایک سو پینسٹھ 165 دن مجلس دستور ساز کی میٹنگ ہوئی۔ پھر 24 جنوری ۱۹۵۰ء کو دستور ساز اسمبلی کی آخری میٹنگ ہوئی۔ اسی میٹنگ میں مجلس دستور ساز کے 284 ممبران وارکان نے دستور ہند کے مسودہ پر دستخط کیا، اور 26 جنوری ۱۹۵۰ء کو جدید دستور ہند، اہل ملک کے لیے نافذ العمل ہوا۔ برطانوی حکومت کا تیار کردہ دستور یعنی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ: ۱۹۳۵ء منسوخ کر دیا گیا۔ اس طرح 26 جنوری ملک ہند کا یوم جمہوریہ اور 15 اگست یوم آزادی قرار پایا۔ ان دونوں تاریخوں کو ملک بھر میں یادگار کے طور پر آج تک منایا جاتا ہے، اور حکومتی تعطیل ہوتی ہے۔

آزاد ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل

15 اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت نے ہندوستان، انڈین نیشنل کانگریس کے سپرد کیا اور پاکستان، مسلم لیگ کے حوالے کر دیا۔ 14 اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کے آخری برطانوی وائسرائے (Viceroy) لوئس ماؤنٹ بیٹن (Louis Mountbatten) نے دہلی سے کراچی جا کر پاکستان کی تشکیل کی۔ 14 اگست ۱۹۴۷ء کو گیارہ بج کر ستاون منٹ (11:57 AM) پر ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کے ایک آزاد ملک ہونے کا اعلان کیا، پھر اسی دن دہلی واپس آ کر رات کو ہندوستان کی تشکیل کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے رات کو بارہ بج کر دو منٹ (12: 2 PM) پر ہندوستان کے ایک آزاد ملک ہونے کا اعلان کیا۔ اہل ہند نے ماؤنٹ بیٹن کو اپنا پہلا گورنر جنرل (Governor General) تسلیم کیا، جو صدر جمہوریہ کے قائم مقام عہدہ ہے۔ پاکستان نے اپنا پہلا گورنر جنرل قائد پاکستان مسٹر محمد علی جناح (۱۸۷۶ء-۱۹۴۸ء) کو بنایا۔ جس دن پاکستان کی تشکیل ہوئی، وہ ستائیسویں رمضان المبارک اور جمعہ کا دن تھا، جبکہ انڈیا رات کو تشکیل پایا۔

ماؤنٹ بیٹن کی ولادت 25 جون ۱۹۰۰ء کو انگلینڈ میں ہوئی۔ 27 اگست ۱۹۷۹ء کو آئرلینڈ میں موت ہوئی۔ حکومت انگلینڈ نے 12 فروری ۱۹۴۷ء کو اسے انڈیا کا وائسرائے مقرر کیا، تاکہ ہندوستان کی حکومت اہل ہند کو بہتر طریقہ پر سپرد کیا جا سکے، پھر آزادی ہند کے بعد ہندوستان کی عبوری حکومت نے اسے انڈین فیڈریشن کا پہلا گورنر جنرل بنایا۔ مدت حکومت 21 فروری ۱۹۴۷ء تا 15 اگست ۱۹۴۷ء ہے اور گورنری کی مدت 15 اگست ۱۹۴۷ء تا 21 جون ۱۹۴۸ء ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کو انگلینڈ بلایا گیا تو اس کے انتخاب کے مطابق چکرورتی راج گوپال آچاری (Chakravarti Rajagopal Achari) (۱۸۷۸ء-۱۹۷۲ء) کو گورنر جنرل بنایا گیا۔ راج گوپال آچاری کو

پہلا ہندوستانی گورنر جنرل ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ ۱۷۷۲ء سے ۱۹۴۸ء تک تمام برطانوی گورنر جنرل غیر ہندوستانی تھے۔ آ چاری کو 21 جون ۱۹۴۸ء سے 26 جنوری ۱۹۵۰ء تک اسی عہدہ پر برقرار رکھا گیا، پھر دستور ہند کے نفاذ کے دن 26 جنوری ۱۹۵۰ء کو ڈاکٹر راجندر پرساد (۱۸۸۴ء-۱۹۶۳ء) کو جمہوریہ ہند کا پہلا صدر بنایا گیا اور اب ملک کی حکومت مکمل طور پر اہل ملک ہاتھ آ گئی۔

یونیفام سول کوڈ مباحثہ کی میز پر

مجلس دستور ساز کی مٹنگ کانسٹی ٹیوشن ہال (دہلی) میں بروز منگل 23 نومبر ۱۹۴۸ء کو دس بجے دن سے شروع ہوتی ہے۔ وائس پریسیڈنٹ ڈاکٹر ایچ سی مکھر جی {Dr.Harendra Coomar Mookherjee} کرسی صدارت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج دستور ی مسودہ کے آرٹیکل 32 سے بحث شروع ہوتی ہے، پھر آرٹیکل 33، آرٹیکل 34 اور 34-A پر بحث ہوتی ہے۔ اس کے بعد وائس پریسیڈنٹ آرٹیکل 35 پر دستور ساز اسمبلی کی بحث کرانا چاہتے ہیں، لیکن ڈرافٹنگ کمیٹی کے صدر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے نائب صدر ہند سے گذارش کی کہ پہلے آرٹیکل 36 پر بحث کرالی جائے۔ نائب صدر ہند نے اس کے لیے مجلس قانون ساز کے اراکین سے رائے طلب کی، تمام ارکان اتفاق کا اظہار کرتے ہیں۔ آرٹیکل 36 پر بحث مکمل ہو جانے کے بعد آرٹیکل 35 پر بحث شروع ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ آرٹیکل آف یونیفارم سول کوڈ کا نمبر شمار آج 44 ہے۔ مباحثہ کے وقت اس دفعہ کا نمبر شمار 35 تھا۔ ترامیم اور حذف واضافہ کی وجہ سے نمبر شمار میں تبدیلی ہوگئی۔

آرٹیکل 35 پر بہت گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ مجلس دستور ساز کے مسلم ارکان کو اس دفعہ کے ذریعہ اسلامی تشخص کی تباہی کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اسی طرح وائس پریسیڈنٹ بھی کچھ خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ مسلم ارکان اسمبلی نے انتہائی شدومد کے ساتھ اس مجوزہ قانون میں ترمیم کا مطالبہ کیا، طویل مباحثے ہوئے۔ غیر مسلم اراکین کو یہ اطمینان تھا کہ اگر یونیفارم سول کوڈ نافذ بھی ہوتا ہے تو لامحالہ وہ اکثریت کے موافق ہی ہوگا۔ بعض ارکان نے یہ بھی تاویل کی کہ اس دفعہ کا تعلق مذہبی امور سے نہیں ہوگا، بلکہ دیگر سماجی ومعاشرتی امور سے ہوگا۔

انجام کار بحث کے اخیر میں ڈاکٹر امبیڈکر نے وضاحت کی کہ اس دفعہ کا تعلق سماجی ومذہبی ہر قسم کے امور سے ہوگا، لیکن یہ ''مسلم پرسنل لا'' کی طرح اختیاری قانون ہوگا، یعنی جو کورٹ سے اس قانون کے تحت فیصلہ لینا چاہے گا، اس قانون کے تحت اسی کا فیصلہ ہوگا۔ یہ جبریہ قانون نہیں ہوگا۔ دراصل آزادی ہند کے موقع پر بعض دانشوران ہند کے دل ودماغ میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ یکساں سول کوڈ ہندوستان کی تمام اقوام ومذاہب کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کا وسیلہ ہوگا اور باہمی تفریق وتفوق کا خاتمہ ہو سکے گا۔ اب ستر سالہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ مزید مشکلات پیدا کرے گا۔ بی جے پی اور آر ایس ایس یونیفارم سول کوڈ کو ایک لازمی قانون کی شکل میں نافذ کرنے کے لیے کوشاں ہے، حالانکہ یہ پلاننگ مجلس دستور ساز کی مرضی ومنشا کے خلاف ہے۔

مسلم ممبران اسمبلی نے اس دفعہ کی پرزور مخالفت کی، جبکہ بہت سے ہندو ممبران نے پرزور حمایت کی۔ وائس پریسیڈنٹ بھی اس دفعہ سے قوم مسلم کے لیے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ ہندو ارکان اسمبلی مختلف طریقوں سے اس قانون کو منظور کروانا چاہتے تھے، یہاں تک کہ ہندو ارکان نے ملک وبیرون ملک میں اگر کہیں خلاف اسلام قانون جاری ونافذ تھا تو اس کی مثالیں دے کر بھی مسلم ارکان اسمبلی پر اس دفعہ کی منظوری کے لیے دباؤ ڈالنا چاہا اور ان کی ذہن سازی کی کوشش کی، جس طرح حالیہ دنوں میں طلاق ثلاثہ سے متعلق بیرون ممالک کی مثالیں

پیش کی جاتی رہی ہیں۔مجلس دستورساز کے اس مباحثے میں مسلم ارکان اسمبلی اپنے مذہب وشریعت پرعمل کی خواہش کا بار بار اظہار کررہے تھے،اورآرٹیکل 25 کے اعتبار سے دستوری طور پر مذہب پرعمل کی آزادی کا حوالہ بھی پیش کررہے تھے،لیکن الزامی جوابات دے کر مسلم ممبران اسمبلی کوخاموش کرنے کی کوشش کی گئی،حقیقی جوابات سے گریز کیا گیا،بلکہ حقیقی جوابات ہوتے تو وہ پیش کیے جاسکتے تھے۔مجلس دستور ساز کے ہندومباحثین کا منشائے اصلی مباحثہ کودیکھ کرآج بھی بالکل واضح طور پرمحسوس ہوتا ہے۔

بعض مباحثین نے یہ بھی کہا کہ جب انگریزوں نے ملک ہند میں انگریزی قانون نافذکیا،تب مسلمانوں نے کیوں احتجاج نہ کیا؟ حالانکہ یہ قائل کی غلطی تھی۔انگریزوں کی حکومت جبری تھی،اوراب ملک میں حکومت جمہوری تھی۔آج ملک کا قانون اہل ملک کو بنانا تھا اور کل انگریز بزورقوت قانون بناتے تھے،نیزانگریزوں نے بھی داخلی وعائلی مسائل میں دخل اندازی نہ کی تھی۔اب یونیفارم سول کوڈ کے ذریعہ وہ آزادی بھی سلب کی جارہی تھی،جسے انگریز بھی سلب نہ کرسکے۔انگریزوں کی آمد سے قبل،بلکہ ۱۸۵۷ء تک ملک میں اسلامی حکومت تھی،اورمسلمانوں کے فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوا کرتے تھے۔۱۸۵۷ء کی اولین جنگ آزادی میں سلطان بہادرشاہ ظفر کوشکست ہوئی اور ہندی مسلمانوں پرانگریزوں کا قہرٹوٹ پڑا۔اب جوقوم یاحکمراں ظلم پرآمادہ ہو،اس سے کسی انصاف یا بھلائی کی امید بیکارتھی۔

ارکان اسمبلی کوبھی اس بات کا لحاظ کرنا چاہئے تھا کہ جب کوئی اپنے مذہب پرعمل کرنا چاہتا ہو،اوراس سے ملک اوراہل ملک کوکسی قسم کا نقصان بھی نہ ہوتو ضرورعمل کی اجازت دی جانی چاہئے،یہی جمہوریت اورسیکولرزم کی روح ہے جس سے امن وامان اورملک میں خوشی و شادمانی کا ماحول قائم رہ سکتا ہے۔نہ ہم کسی کومذہبی امور پرعمل آوری سے روکیں اورنہ ہی پڑوسی قوم ہمارے داخلی معاملات میں رکاوٹ پیدا کرے۔بعض ہندوارکان نے بھی اس بات پرزوردیا کہ تمام اہل وطن کی رضامندی سے ہی یہ معاملہ منظورکیا جائے۔وائس پریسیڈنٹ نے بھی اس رائے کی حمایت کی،لیکن ڈاکٹر امبیڈکراوردیگر ہندوارکان نے طرح طرح کی تاویلات پیش کرکے اس دفعہ کومنظورکرالیا۔جو تاویلات اس وقت پیش کی گئی تھیں،آج ان کی جانب توجہ بھی نہیں کی جاتی۔اس وقت ڈاکٹرامبیڈکر نے کہا تھا کہ یونیفارم سول کوڈاختیاری ہوگا اورآج کہا جارہا ہے کہ یونیفارم سول کوڈلازمی ہوگا۔

ذیل میں بحث کا ماحصل اورتلخیص پیش کی جارہی ہے۔چونکہ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے،اس لیے ان شاءاللہ تعالیٰ جلد ہی اصل بحث کا مکمل انگریزی متن اوراس کا ترجمہ شائقین کے لیے شائع کیا جائے گا۔اس مضمون میں پہلے مباحثین کے الفاظ واقوال یعنی انگریزی عبارتیں

"Constituent Assembly of India Debates(Proceedings) Volume VII"(Page 1967 to 1980)

سے نقل کی گئی ہیں،پھراردوزبان میں ان عبارتوں کا ترجمہ درج ہے:وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ العظیم وآلہ الکریم

Article 35

1-Mr. Mohammed Ismail Sahib (Madras, Muslim): Sir! I move that the following:

"Provided that any group, section or community of people shall not be obliged to give up its own personal law in case it has such a law."

(1)مسٹر محمد اسماعیل صاحب (مسلم ممبر آف مدراس):(نائب صدر سے مخاطب ہوکر) سر! اس آرٹیکل میں درج ذیل شرط کا اضافہ کیا جائے۔

''اس یقین دہانی کے ساتھ کہ لوگوں کا کوئی گروپ، جماعت یا طبقہ اپنے پرسنل لا کو چھوڑنے پر مجبور نہیں ہوگا جب کہ ان کے پاس ایسا کوئی قانون ہو''۔

مذکورہ بالا ترمیم کو پیش کرنے کے بعد مسٹر اسماعیل صاحب نے ''پرسنل لا'' کے تحفظ وحمایت میں ایک طویل تقریر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے سرب، کروٹ اور سلووین اسٹیٹ کا حوالہ بھی دیا کہ وہاں مسلمانوں کو اپنے فیملی لا اور پرسنل لا پر عمل کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح متعدد یوروپین ممالک میں اقلیتی طبقہ کو مذہب پر عمل کی آزادی دی گئی ہے۔ مسٹر اسماعیل کے الفاظ یہ ہیں:

"The Serb, Croat and Slovene State agrees to grant to the Mussulmans in the matter of family law and personal status provisions suitable for regulating these matters in accordance with the Mussulman usage."

2-Mr. Suresh Chandra Majumdar (West Bengal, General) Sir! on a point of order, what is being said now is a direct negation of article 35 and cannot be taken as an amendment. The Honourable Member can only speak in opposition.

(2)مسٹر سریش چندر مجومدار (جنرل ممبر آف ویسٹ بنگال):(وائس پریسیڈنٹ سے مخاطب ہوکر) سر! جو ابھی کہا جا رہا ہے، وہ آرٹیکل 35 کی براہ راست نفی ہے، اور آرڈر کے مطابق، اسے ایک ترمیم کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ محترم ممبر صرف مخالفت میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ (یعنی صرف اس کے منفی پہلو کو اجاگر کر سکتے ہیں)

3-Mr.Mohammed Ismail Sahib: Article 35 read thus:

"The State shall endeavour to citizens a uniform civil code throughout the territory of India."

That will include the personal law as well.

(3)مسٹر محمد اسماعیل: آرٹیکل 35 کو اس طرح پڑھا:

''اسٹیٹ یہ کوشش کرے گا کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کی ضمانت ہو''۔

(مسٹر اسماعیل نے کہا) یہ پرسنل لا کو بھی شامل ہوگا۔

4-Mr.Vice President: "I hold that the Honourable Member is in order."

(4)وائس پریسیڈنٹ: میں سمجھتا ہوں کہ محترم ممبر آرڈر کے دائرہ کے اندر ہیں۔

5-Mr. Mohammed Ismail Sahib: Therefore, Sir! what I submit is that for creating and augmenting harmony in the land, it is not necessary to compel

people to give up their personal law. I request the Honourable Mover to accept this amendment.

(5) مسٹر محمد اسماعیل صاحب: سر! اس لیے میں نے جو ترمیم پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ خطہ میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور اسے فروغ دینے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ لوگوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ اپنا پرسنل لا چھوڑ دیں۔ میں محترم مباحث (سریش چندر مجومدار) سے اس ترمیم کو قبول کرنے کی گذارش کرتا ہوں۔

6-Mr. Naziruddin Ahmad: Sir! I beg to move: That the article 35, the following proviso be added, namely:

"Provided that the personal law of any community which has been guaranteed by the state not be changed except with the previous approval of the community ascertained in such manner as the Union Legislature may determine by law."

(۶) مسٹر نذیر الدین احمد (مسلم ممبر آف ویسٹ بنگال): سر میں تبدیلی کی گذارش کرتا ہوں کہ دفعہ 35 میں درج ذیل شرط کا اضافہ کیا جائے۔
''اس یقین دہانی کے ساتھ کہ کسی طبقے کا پرسنل لا، جسے مملکت کے ذریعہ تحفظ دیا گیا ہو، وہ بدلا نہیں جائے گا، اس طبقہ کی یقینی طور پر سابقہ منظوری کے بغیر، ایسی صورت میں (متعلقہ طبقہ کی یقینی منظوری کے بعد) ملکی قانون ساز ادارہ بذریعہ قانون فیصلہ کر سکتا ہے''۔
مذکورہ بالا شرط پیش کرنے کے بعد مسٹر نذیر الدین احمد نے ایک طویل تقریر کی۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارا مقصود ملک کی تمام اقوام کے پرسنل لا کا تحفظ ہے، خواہ وہ کوئی بھی قوم ہو۔

7-B.Pocker Sahib Bahadur rose to speak.

(7) مسٹر بی پوکر صاحب بہادر (مسلم ممبر آف مدراس) بیان کے لیے کھڑے ہوئے (اسی درمیان وائس پریسیڈنٹ نے بولنا شروع کیا)

8-Mr. Vice President: When we discuss the clause as a whole, you will get your chance. Amendment No.960. The Mover has called it a new sub-clause, that is 35-A. We can take it up later on. The article as a whole is now under consideration.

(8) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: جب ہم مکمل شق پر بحث کریں گے تو آپ (بی پوکر) کو موقع دیا جائے گا۔ ترمیم 960 سے متعلق ترمیم پیش کنندہ نے کہا ہے کہ یہ ایک جدید ذیلی شق ہے، جو 35-A ہے۔ ہم اس جانب تھوڑی دیر بعد آتے ہیں، ابھی آرٹیکل 35 مکمل طور پر زیر بحث ہے۔

9-Mahboob Ali Baig Sahib Bahadur(Madras, Muslim): I have given notice of an amendment to article 35. It is No. 833.

(9) محبوب علی بیگ صاحب بہادر (مسلم ممبر آف مدراس): (نائب صدر سے مخاطب ہوکر) میں نے آرٹیکل 35 سے متعلق ایک ترمیمی نوٹس پیش کیا ہے، جس کا نمبر 833 ہے۔

10-Mr. Vice President: That escaped my attention. I am glad you pointed that out.

(10) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: یہ میری توجہ سے نکل چکا تھا۔ میں خوش ہوں کہ آپ نے یاد دلایا۔

11-Mahboob Ali Baig Sahib Bahadur: Sir! I move that the following proviso be added to article 35:

"Provided that nothing in this article shall affect the personal law of the citizen."

(11) محبوب علی بیگ صاحب بہادر: سر! میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ آرٹیکل 35 میں درج ذیل شرط کا اضافہ کیا جائے۔

''اس یقین دہانی کے ساتھ کہ اس آرٹیکل کا کوئی اثر شہری کے پرسنل لا پر نہیں ہوگا''۔

محبوب علی بیگ صاحب بہادر نے مذکورہ بالا شرط پیش کرنے کے بعد ایک تقریر کی، جس میں انہوں نے وضاحت کی کہ ''سول کوڈ'' مذہبی پرسنل لا کو شامل نہیں ہونا چاہئے، نیز انہوں نے کہا کہ خاص کر مسلم قوم کی شادی، طلاق، جانشینی وغیرہ کے معاملات ان کے مذہب پر منحصر ہیں، یعنی ان امور کو مذہبی قوانین کے مطابق ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔

12-Mr. M. Ananthasayanam Ayyangar: It is a matter of contract.

(12) مسٹر اننت سیانم اینگر (جنرل ممبر آف مدراس): یہ (شادی) معاہدہ کا ایک معاملہ ہے۔

13-Mahboob Ali Baig Sahib Bahadur: I know that Mr. Ananthasayanam Ayyangar has always very queer ideas about the laws of other communities. It is interpreted as a contract, while the marriage amongst the Hindu is a Samskara and that among Europeans it is a matter of status. I know that very well, but this contract is enjoined on the Musalmans by the Quran and if it is not followed, a marriage is not a legal marriage at all. For 1350 years, this law has been practiced by Muslims and recognised by all authorities in all states.

(13) محبوب علی بیگ صاحب بہادر: مجھے معلوم ہے کہ مسٹر اننت سیانم اینگر دیگر طبقات کے بارے میں ہمیشہ بہت عجیب وغریب نظریہ رکھتے ہیں۔ اسلام میں شادی کی تشریح ایک معاہدہ کی حیثیت سے ہی کی گئی ہے، جبکہ ہندؤں کے یہاں شادی ایک سمسکار ہے، اور اہل یورپ کے یہاں شادی ایک سماجی معاملہ ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں، لیکن اس معاہدہ کا حکم، مسلمانوں کو قرآن کے ذریعہ دیا گیا، اور اگر قرآن میں بتائے گئے طریقہ پر عمل نہ کیا گیا تو وہ شادی قانونی طور پر شادی ہی نہیں ہوگی۔ یہ قانون مسلمانوں کے ذریعہ ساڑھے تیرہ سوسالوں سے عمل میں ہے، اور تمام مملکتوں میں اس کو منظوری حاصل ہے۔

اس کے بعد محبوب علی صاحب بہادر نے شادی، طلاق وغیرہ اور مسلم پرسنل لا و دیگر پرسنل لا سے متعلق ایک متوسط تقریر کی۔

14-Mr. L.Krishnaswami Bharathi: It is sought to be done only by consent of all concerned.

(14)ایل کرشنا سوامی بھارتی (ممبر آف مدراس) :اس (یونیفارم سول کوڈ) کوصرف تمام تعلق رکھنے والوں (اہل وطن) کی رضامندی سے منظور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔(اسے بالجبر اہل وطن پر تھوپنے کا خیال نہیں ہے)

15-Mr. Vice President: Mr. Bharathi, the majority community has always been so very indulgent that I would ask you as a personal favour to give the fullest possible freedom to our Muslim brethren to express their views. I would ask you to exercise patience for a little while. I know they feel very strongly on this matter.

(15)مسٹر وائس پریسیڈنٹ:مسٹر بھارتی (سے مخاطب ہوکر)!اکثریتی طبقہ کو ہمیشہ مہربان ہونا چاہئے، میں ذاتی حمایت کے طور پر آپ سے اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی باتیں بیان کرنے کی ممکنہ مکمل آزادی دینے کا مطالبہ کرتا ہوں۔میں آپ سے تھوڑی دیر کے لیے صبر کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں۔میں سمجھ رہا ہوں کہ مسلمان اس مسئلہ کو بہت مضبوطی کے ساتھ محسوس کررہے ہیں۔

16-Mr. L.Krishnaswami Bharathi: My point was, Sir, that it was not an attempt at imposition. If anything is done, it will be done only with the consent of all concerned, and the Honourable Member need not labour that point.

(16)مسٹر کرشنا سوامی بھارتی (ممبر آف مدراس): سر! میرا نظریہ یہ تھا کہ یہ ایک نفاذ کی کوشش نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی چیز کی جاتی ہے تو اس کو صرف تمام تعلق رکھنے والوں کی رضامندی سے کی جانی چاہئے، اور محترم ممبر (محبوب علی بیگ) کو اس نظریہ پر محنت کی ضرورت نہیں ہے۔

17-Mr. Vice President: It is understood and I thank you for it.

(17)مسٹر وائس پریسیڈنٹ: یہ بات معلوم ہے اور میں اس کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

18-Mahboob Ali Baig Sahib Bahadur: Now, Sir, people seem to have very strange ideas about secular state. People seem to think that under a secular state there must be a common law observed by its citizens in all matters, including matter of their daily life, their language, their culture, their personal laws. That is not the correct way to look at this secular state.

In a secular state, citizens belonging to different communities must have the freedom to practice their own religion, observe their own life and their personal laws should be applied to them. Therefore, I hope the framers of this article have not in their minds the personal law of the people to cover the words "Civil Code". With this observation, I move that it may be made clear by this proviso, lest an interpretation may be given to it that these words "Civil Code"

include personal law of any community.

(18) مسٹر محبوب علی بیگ صاحب بہادر: سر! لوگ ابھی سیکولر اسٹیٹ کے بارے میں عجیب وغریب نظریہ رکھتے ہیں۔ لوگ سوچتے ہیں کہ ایک سیکولر اسٹیٹ میں لازمی طور پر تمام معاملات میں اس کے شہریوں کے ذریعہ بنایا گیا ایک عام قانون ہو، جو ان کی یومیہ زندگی کے معمولات، ان کی زبان، ان کی تہذیب وثقافت اور ان کے پرسنل قوانین کو شامل ہو۔ اس سیکولر اسٹیٹ کو ایسا سمجھنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ایک سیکولر اسٹیٹ میں لوگ مختلف کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں، انہیں ضرور اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہو، ان کے معمولات زندگی اور ان کے پرسنل قوانین کی حفاظت اور ان کے لیے قابل قبول ہونے چاہئے۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اس آرٹیکل کا مسودہ تیار کرنے والوں نے عوام کے پرسنل لا کو اپنے ذہن میں نہیں رکھا ہوگا کہ پرسنل لا کو بھی ''سول کوڈ'' کا لفظ شامل ہوگا۔ اس یاددہانی کے ساتھ میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ اس شرط کے ساتھ صاف اور واضح ہوجانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی کوئی ایسی تشریح کردی جائے کہ ''سول کوڈ'' کا لفظ کسی طبقہ کے پرسنل لا کو بھی میں شامل ہوجائے۔

19-B.Pocker Sahib Bahadur (Madras, Muslim) Mr. Vice President! Sir! I support the motion which has already been moved by Mr. Mohammed Ismail Sahib to the effect that the following proviso be added to article 35:

"Provided that any group, section or community of people shall not be obliged to give up its own personal law in case it has such a law."

(19) بی پوکر صاحب بہادر (مسلم ممبر آف مدراس): جناب نائب صدر! سر! میں اس تحریک کی تائید کرتا ہوں جو پہلے ہی مسٹر محمد اسماعیل صاحب پیش کرچکے ہیں کہ آرٹیکل 35 میں درج ذیل شرط کا اضافہ کیا جائے۔

''اس یقین دہانی کے ساتھ کہ لوگوں کا کوئی گروپ، جماعت یا طبقہ اپنے پرسنل لا کو چھوڑنے پر مجبور نہیں ہوگا، جب کہ ان کے پاس ایسا کوئی قانون ہو''۔

مذکورہ بالا شرط پیش کرنے کے بعد پوکر صاحب نے ایک طویل تقریر کی۔ اس میں انہوں نے بتایا کہ جمہوری ملک میں اکثریتی طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقلیتوں کے مقدس حقوق کا تحفظ کرے۔ اگر اکثریتی طبقہ اقلیتوں کے حقوق کو پامال کرتا ہے تو یہ جمہوریت نہیں، بلکہ ظلم ہے۔ اس لیے میں آپ سے اور اسمبلی کے تمام ارکان سے گذارش کرتا ہوں کہ اس آرٹیکل کے بارے میں بہت توجہ کے ساتھ غور وفکر کریں۔ یہ کوئی ہلکی سی چیز نہیں، جسے اس طرح پاس کردیا جائے۔

20-Mr.Vice President: "That may be taken up at the proper time."

(20) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: یہ مناسب وقت پر اختیار کیا جانا چاہئے۔

21-B.Pocker Sahib Bahadur: What I would sumbit is only this. The result of any voting on this should not be allowed to affect the fate of that amendment.

(21) بی پوکر صاحب بہادر: جو میں نے ترمیم پیش کی ہے، کسی ووٹنگ کے نتیجہ کو اس ترمیم پر اثرانداز ہونے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

22-Mr. Hussain Imam (Bihar, Muslim) Mr. Vice President! sir! India is too big a country with a large population so diversified that it is almost impossible to stamp them with one kind of anything.

(22) مسٹر حسین امام (مسلم ممبر آف بہار): مسٹر وائس پریسیڈنٹ! سر! انڈیا بڑی آبادی والا ایک بہت وسیع وعریض ملک ہے۔ اس کی تمام آبادی کو ایک قانون میں نہیں باندھا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد مسٹر حسین امام نے یونیفارم سول کوڈ کے مفاسد پر ایک طویل تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ سیکولر اسٹیٹ کا مطلب مذہب مخالف مملکت {Anty-religious State} نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم غیر مذہبی مملکت {Non-religious State} ہے۔ غیر مذہبیت {Non-religious} اور لامذہبیت {Irreligious} میں فرق ہے۔

23-Mr.K.M.Munshi (Bombay, General): Mr. Vice President! I beg to submit a few considerations. This particular clause which is now before the House is not brougt for discussion for the first time.It has been discussed in several committeeis and at several places before it came to House.

(23) کے ایم منشی (جنرل ممبر آف بمبئی): مسٹر وائس پریسیڈنٹ: میں چند نظریات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ یہ مخصوص شق جو ابھی اسمبلی میں زیر بحث ہے، یہ پہلی بار بحث کے لیے نہیں لائی گئی ہے، بلکہ دستور ساز اسمبلی میں آنے سے قبل مختلف کمیٹیوں اور مختلف مقامات پر یہ امر زیر بحث آچکا ہے۔

اس کے بعد منشی نے یونیفارم سول کوڈ کی تائید میں ایک طویل تقریر کی، اور کہا کہ تمام اہل ہند کے لیے یکساں قانونی ثقافت ہونی چاہئے۔

24-Mr. Alladi Krishnaswami Ayyar (Madras, General): Mr. Vice President! after the very full exposition of my friend the Honourable Mr. Munshi, it is not necessary to cover the whole ground.

(24) الادی کرشنا سوامی ایر (جنرل ممبر آف مدراس): مسٹر وائس پریسیڈنٹ! میرے دوست کے ایم منشی کی مکمل تشریح کے بعد اب پورے دائرہ کے احاطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد الادی نے بھی یونیفارم سول کوڈ کی حمایت میں ایک طویل تقریر کی۔ اس نے کہا کہ انگریزوں نے ہندوستان میں انگریزی قانون نافذ کیا، تب کیوں مسلمانوں نے احتجاج نہ کیا؟

25-The Honourable Dr. B.R.Ambedkar: Sir! I am Afraid. I cannot accept the amendments which have been moved to this article.

(25) ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (چیئرمین ڈرافٹنگ کمیٹی): سر! میں خوفزدہ ہوں۔ میں ان ترامیم کو قبول نہیں کر سکتا جو اس آرٹیکل سے متعلق پیش کی گئی ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک طویل تقریر کی۔ تقریر کا آخری حصہ یہ ہے۔

"My second observation is to give them an assurance. I quite realise their feelings in the matter, but I think they have read rather too much into article 35,

which merely proposes that the state shall endeavour to secure a civil code for the citizens of the country. It does not say that after the Code is framed the State shall enforce it upon all citizens merely because they are citizens. It is perfectly possible that the future parliament may make a provision byway of making a beginning that the Code shall apply only to those who make a declaration that they are prepared to be bound by it, so that in the initial stage the application of the Code may be purely voluntary. Parliament may feel the ground by some such method.

This is not a novel method. It was adopted in the Shariat Act of 1937 when it was applied to territories other than the North-West Frontier Province. The law said that here is a Shariat law which should be applied to Mussulmans who wanted that he should be bound by the Shariat Act should go to an officer of state, make a declaration that he is willing to be bound by it, and after he has made that declaration the law will bind him and successors. It would be perfectly possible for parliament to introduce a provision of that sort; so that the fear which my friends have expressed here will be altogether nullified. I therefore submit that there is no substance in these amendments and I oppose them."

ترجمہ: میرا دوسرا نظریہ انہیں (قوم مسلم کو) یقین دہانی کرانا ہے۔ میں اس معاملہ کے بارے میں ان کے احساسات کو بالکل محسوس کررہا ہوں، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے آرٹیکل 35 کے بارے میں بہت زیادہ غور کیا ہے، جو آرٹیکل محض تجویز پیش کرتا ہے کہ اسٹیٹ یہ کوشش کرے گا کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کی ضمانت ہو۔ آرٹیکل یہ نہیں بیان کررہا ہے کہ اس قانون کی تشکیل کے بعد اسٹیٹ اسے بالجبر تمام شہریوں پر صرف اس لیے نافذ کرے گا کہ وہ (بھارت) کے شہری ہیں۔ (بلکہ) یہ مکمل طور پر ممکن ہے کہ مستقبل کا پارلیامنٹ ابتدائی قانون سازی کے ذریعہ تیاری کرے کہ یہ قانون صرف ان لوگوں کے لیے قابل اطلاق ہو جو فیصلہ کریں کہ وہ اس قانون پر عمل کے لیے تیار ہیں۔ اس طرح ابتدائی مرحلہ میں اس قانون کا اطلاق خالص رضا کارانہ ہوگا۔ پارلیامنٹ اس طرح ماحول سازی کرسکتا ہے۔

یہ ایک افسانوی خیال نہیں ہے۔ یہ شریعت اپلی کیشن ایکٹ: ۱۹۳۷ء میں اپنایا گیا تھا، جب کہ یہ شمال مغربی سرحدی صوبہ (NWFP) کے علاوہ علاقوں میں قابل اطلاق تھا۔ قانون نے کہا تھا کہ ایک شریعت قانون ہے، جو مسلمانوں کے لیے قابل اطلاق ہونا چاہئے۔ جو مسلمان اس شریعت ایکٹ کا پابند ہونا چاہے، اسے اسٹیٹ آفیسر کے پاس جا کر اقرار کرنا چاہئے کہ وہ اس قانون کا پابند ہونے کا خواہشمند ہے۔ یہ اقرار کرلینے کے بعد قانون اسے اور (اس کے) جانشینوں کو پابند کردے گا۔ یہ پارلیامنٹ کے لیے مکمل طور پر ممکن ہوگا کہ وہ اس قسم کا مشترکہ کلچر متعارف کرائے۔ اس لیے وہ خوف جسے ہمارے احباب نے یہاں بیان کیا ہے، وہ ایک ساتھ کالعدم قرار پائیں گے۔ اس لیے میں یہ گذارش کرتا ہوں کہ ان ترامیم کی کچھ حقیقت نہیں اور میں ان لوگوں کی مخالفت کرتا ہوں۔

توضیح: برطانوی عہد میں شمال مغربی سرحدی صوبہ (North-West Frontier Province) کا وجود ہوا۔ اس کی

راجدھانی پشاور تھا۔ برطانوی حکومت نے 9 نومبر ۱۹۰۱ء کو اس صوبہ کو تشکیل دیا۔ تقسیم ہند کے بعد یہ پاکستان کے علاقہ میں آیا۔ پاکستانی حکومت نے 14 اکتوبر ۱۹۵۵ء کو اسے تحلیل کردیا، اوراس کی مستقل صوبائی حیثیت کو ختم کر کے مغربی پاکستان میں ضم کرلیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا شمال مغربی صوبہ میں شریعت اپلی کیشن ایکٹ: ۱۹۳۷ء کے عدم نفاذ کو مثال کے طور پر پیش کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ برطانوی ہند میں بعض صوبے مستقل طور پر برطانوی حکومت کے زیر اقتدار تھے، جبکہ بعض صوبوں میں وہاں کے راجہ، مہاراجہ حکومت کرتے تھے، اور وہ انگریزوں کے تابع ہوتے، مثلاً حیدرآباد کی سلطنت نظامیہ۔ ایسے صوبہ جات میں ان کے اپنے قوانین نافذ تھے، انگریزی قانون کو وہاں بالادستی حاصل نہ تھی، جیسے آزادی ہند کے ستر سال بعد بھی کشمیر، میزورام وناگالینڈ میں مکمل طور پر انڈین قوانین نافذ نہیں ہیں، یہی کیفیت NWFP کی تھی۔ اس مباحثہ میں ہندوممبران کی جانب سے بہت سی غلط بیانیاں ہوئیں اور مسلم ممبران کی تجاویز قبول نہ کی گئیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے خطاب اور کسی قسم کی تبدیلی وترمیم سے انکار کے بعد مسلم ممبران بھی خاموش ہوگئے۔ ترامیم کی شمولیت وعدم شمولیت کے اعلان پر بھی اسمبلی میں خموشی طاری رہی۔

26-Mr. Vice President: The question is:

"That the following proviso be added to article 35:

"Provided that any group, section or community of people shall not be obliged to give up its own personal law in case it has such a law."

(26) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: سوال ہے کہ کیا درج ذیل شرط کو آرٹیکل 35 سے ضم کیا جائے؟ (نائب صدر نے مذکورہ بالا شرط کو بیان کیا)

The motion was negatived.

تحریک (ترمیم) نامنظور تھی۔

27- Mr. Vice President: The question is:

"That to article 35, the following proviso be added:

"Provided that the personal law of any community which has been guaranteed by the statue not be changed except with the previous approval of the community ascertained in such manner as the Union Legislature may determine by law."

(27) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: سوال ہے کہ کیا درج ذیل شرط کو آرٹیکل 35 سے ضم کیا جائے؟ (نائب صدر نے مذکورہ بالا شرط کو بیان کیا)

The motion was negatived.

تحریک (ترمیم) نامنظور تھی۔

28- Mr. Vice President: The question is: "That part IV of the Draft Constitution be deleted."

(28) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: سوال ہے کہ کیا دستور کے مسودہ کا حصہ چہارم حذف کردیا جائے؟

The motion was negatived.

تحریک (ترمیم) نامنظور تھی۔

29- Mr. Vice President: The question is: "That article 35, stand part of the Constitution."

(29) مسٹر وائس پریسیڈنٹ: سوال ہے کہ کیا آرٹیکل 35 کو دستور کا حصہ بنادیا جائے؟

تحریک منظور شدہ تھی۔ The motion was adopted.

آرٹیکل ۳۵ کو دستور میں شامل کرلیا گیا۔ Article 35 was added to the Constitution.

{Constituent Assembly of India Debates (Proceedings) Volume VII Page 1967 to 1980}

آرٹیکل 44 عہد حاضر میں

آج کل آر ایس ایس، بی جے پی اور دیگر ہندو تنظیمیں دفعہ 44 کو ایک بہانہ بنا کر اسلامی تشخص کو نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں پر ہندوانہ تہذیب و ثقافت نافذ کرنے کے لیے اپنی ساری قوت صرف کی جارہی ہے۔ ارباب تعصب وعناد چاہتے ہیں کہ سارے اہل وطن کو ہندوتوا کے جال میں جکڑ دیا جائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے سوچا تھا کہ یکساں سول کوڈ کے ذریعہ قوم ہنود میں پائی جانے والی نابرابری اور عدم یکسانیت کو ختم کیا جائے، کیونکہ ہندو دھرم میں ذات پات کے نظام کے سبب اونچ نیچ کا عقیدہ تھا۔ اسے ختم کرنے کے لیے انگریزوں کے عہد سے آزادی ہند کے بعد تک متعدد قوانین بنائے گئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا تعلق ایک دلت خاندان سے تھا۔ درج فہرست ذاتوں کے لیے ریزرویشن کا پاس ہونا درحقیقت امبیڈکر کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے آج تک دلت قوم ڈاکٹر امبیڈکر کا بڑا احترام کرتی ہے۔

آج دفعہ 44 کا سیدھا نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑ رہا ہے کہ آئے دن اسلامی قوانین واصول پر تنقیدیں کی جاتی ہیں اور ہندوتوا کے نفاذ کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے علاوہ ملک میں بے شمار تہذیب و ثقافت ہیں، اسی کثرت ثقافت کے سبب ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کو "گنگا جمنی تہذیب" کا نام دیا گیا ہے۔ ملک میں قوم ہنود کے بعد سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے، یعنی مسلمان ملک میں دوسری اکثریت (Second Majority) ہیں۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ جب مسلمان مان جائیں گے تو دوسری قوموں کو منانا بہت آسان ہو جائے گا۔ ہندوستانی برہمنوں کا مقصد ہندوتوا کا نفاذ ہے، اور "ہندوتوا" دراصل برہمن وادی نظام کا نام ہے، جبکہ ڈاکٹر امبیڈکر کا مقصد برہمن واد (Brahmanism) کو ختم کرنا تھا۔ چھوت چھات کے خلاف امبیڈکر کی تحریک سال ۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۶ء تک جاری رہی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندومذہب میں چھوت چھات کے غیر منصفانہ نظام کو دیکھتے ہوئے 13/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ایولا، ناسک (مہاراشٹر) کی ایولا کانفرنس {Yeola Conference} میں کہا تھا کہ وہ ہندومذہب پر نہیں مرے گا۔ ایک مرتبہ امبیڈکر نے تمام دلتوں کو ہندومذہب سے نکالنے کا پروگرام بنایا، لیکن گاندھی جی کی فہمائش پر یہ کام نہ ہوسکا۔ امبیڈکر کا تعلق مہاراشٹر کی ہندو دلت (Dalit) قوم سے تھا، جو مہر (Mahar) کہلاتی ہے۔ ہندومذہب میں چھوت چھات (Untouchability) کے رواج کے سبب ڈاکٹر امبیڈکر نے 14 اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ناگپور (مہاراشٹر) میں ہندومذہب کو ترک کرکے بدھ مذہب کو قبول کرلیا۔ امبیڈکر کو دیکھ کر اس کے دلت معتقدین میں سے قریباً پانچ لاکھ لوگوں نے بدھ دھرم کو قبول کرلیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی پیروی کرتے ہوئے آج بھی بہت سے دلت ہندو دھرم چھوڑ رہے ہیں۔

دفعہ 44 نہ صرف غیر مفید ہے، بلکہ اہل وطن کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والی دفعہ ثابت ہوچکی ہے۔ اسی دفعہ 44 کی بنیاد پر مقدمہ نان ونفقہ (شاہ بانو کیس: ۱۹۸۶ء)، مسئلہ طلاق ثلاثہ: ۲۰۱۶/۱۷ء وغیرہا مسائل سپریم کورٹ پہنچے۔ ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں میں

تلخیاں بڑھیں اور نفرتوں کی دیواریں قائم ہوئیں۔ یہ ایسا قانون ہے، جس نے اہل وطن کو مصیبتوں کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اب اس قانون پر پارلیامنٹ میں بحث ہونی چاہئے، اور حقائق کی روشنی میں کوئی مستحکم فیصلہ ہونا چاہئے۔

خیال رہے کہ دفعہ 44 دستور کے رہنما اصولوں (Directive Principles of State Policy) میں درج ہے۔ اس کا صریح مفہوم صرف اتنا ہوتا ہے کہ ملک کا قانون ساز ادارہ اگر ضرورت محسوس کرے تو اس کے لیے ماحول سازی کرے۔ ایسا نہیں کہ اس دفعہ کو بہانہ بنا کر بلاضرورت اہل وطن پر یونیفارم سول کوڈ مسلط کر دیا جائے۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) شمارہ جنوری ۲۰۱۷ء میں ہمارا مضمون بنام ''یکساں سول کوڈ'' اور شمارہ دسمبر ۲۰۱۶ء میں مضمون بنام ''مسلم پرسنل لا'' کیا ہے؟ اور قومی مسائل قسط چہارم، پنجم و ششم یونیفارم سول کوڈ کے لازمی مواد و مفاہیم اور ضروری توضیح وتشریح پر مشتمل ہے: وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

آخر میں اپنے قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ جشن میلاد تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکم دسمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ متوقع ہے۔ قلمکاروں سے عرض ہے کہ شمارہ دسمبر کے لیے حضور اقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف پر مشتمل مختصر مضامین ارسال فرمائیں، تاکہ کثیر اہل تمنا کو ''پیغام شریعت'' کے ذریعہ دربار اعظم میں سوغات عشق وعقیدت پیش کرنے کا موقع فراہم ہو۔ قوم مسلم کی فلاح و بہبود یا ان کی خیر خواہی ورہنمائی کے مضامین تو فقط اس نسبت سے شائع ہوتے ہیں کہ یہ تمام آں پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ اب آ ؤ ان کی طرف: (ﷺ) ع

آمدہ بودیم ازدریا بموج باز ازموجے بدریا می رویم

☆☆☆

tariqueanwer313@gmail.com

☆☆☆

باقی صفحہ ۵۳ کا

33-Frederic John Napier Thesiger, Chelmsford (1868-1933) {1916-1921}
34-Rufus Daniel Issacs, Reading (1860-1935) {1921-1926}
35-Edward Frederick Lindley Wood, Irwin (1881-1959) {1926-1931}
36-Freeman Thomas, Willingdon (1866-1941) {1931-1936}
37-Victor Alxander John Hope, Linlithgow (1887-1952) {1936-1943}
38-Archibald Percival Wavell (1883-1950) {1943-1947}
39-Louis Francis Albert, Mountbatten (1900-1979) {1947-1947}
40-Louis Francis Albert, Mountbatten (1900-1979) {1947-1948}
41-Chakravarti Rajagopalachari (1878-1972) {1948-1950}

خضرراہ

آئینہ: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) پر بے لاگ تبصرہ

از: نعمان احمد حنفی (پٹنہ)

تبصرہ برشمارہ مئی ۲۰۱۷ء:

مئی ۲۰۱۷ء کا شمارہ پیش نظر ہے۔ مدیر محترم مولانا فیضان المصطفٰی قادری نے اس بار ایک نئی دنیا کی سیر کرائی ہے، اور وہ بھی ایسی دنیا کی جن کے بارے میں وہ خود متردد ہیں کہ وہ دنیا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ سیاروں پر انسانی زندگی کی تلاش میں سرگرداں افراد کے بارے میں حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفٰی قادری مدظلہ العالی کے حوالے سے قرآنی آیت ﴿ولکم في الارض مستقر و متاع الی حین﴾ کی جو تفسیر پیش کی گئی ہے، اور اس سے انسانی زندگی کے اسی کرۂ ارض میں منحصر ہونے کا جو مفہوم اخذ کیا گیا ہے، وہ بھی ایک نئی دریافت معلوم ہوتی ہے۔

چوں کہ حضور محدث کبیر دام ظلہ العالی علم وفضل میں ایک منفرد ویگانہ شخصیت ہیں، لہٰذا ہو سکے تو اس موضوع پر مزید ان کی رائے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ یہ معاملہ خوب منقح ہو کر سامنے آ سکے۔ اسے مدیر محترم کی بہت بڑی فن کاری کہئے کہ ''ناسا'' کی تحقیق اور اس کے گوشوں کو ایک اجنبی زبان سے اخذ کر کے اردو زبان میں یوں سمجھا دیا ہے کہ قاری الفاظ کی پر پیچ وادیوں میں گم ہونے کی بجائے بڑی آسانی سے اصل مفہوم تک پہنچ جاتا ہے۔

شرعی مسائل کے کالم میں اس مرتبہ حضرت مفتی عالمگیر اشرف رضوی مصباحی کے فتاویٰ ہیں۔ انداز بیان خوب سے خوب تر معلوم ہوا۔ ساتھ ہی اندازہ لگا کہ مفتی موصوف، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ مجال ہے کہ کوئی فتویٰ لکھ جائے اور اس میں حضرت شارح بخاری کے حوالہ سے کوئی جزئیہ نہ ہو۔

گزشتہ شمارہ اور موجودہ شمارہ، بلکہ متعدد یگر شماروں کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قادری محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیقات کے بعد شارح بخاری علیہ الرحمہ کے فتاویٰ مفتیان عظام کے نزدیک بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور علما کے مابین ان کی تحقیقات وتعلیمات کو درجہ اعتماد حاصل ہے۔ اب ایسی صورت حال میں ان کے جانشینان اور فتاویٰ کے مرتبین کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ جلد از جلد انھیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لائیں، تاکہ ان سے بھی استفادہ عام ہو سکے۔

بطور مشورہ عرض ہے کہ ''پیغام شریعت'' کے لیے فتاویٰ کے انتخاب کے وقت اگر اعتقادیات کے ساتھ جدید تحقیقات اور معاملات پر مبنی فتاویٰ پر نظر رہے تو بہتر ہے۔ ایک ہی موضوع پر مکرر فتاویٰ شائع کرنے میں بھی کوئی حکمت ہی رہی ہوگی، مثلاً گزشتہ شمارے میں حضرت مفتی محمود اختر قادری امجدی (ممبئی) کا ایک فتویٰ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان وجہت ثابت کرنے والوں سے متعلق پیش کیا گیا تھا اور اس بار بھی اس موضوع پر ایک فتویٰ شامل رسالہ ہے۔ یہاں پر اشارتاً بس اتنا کہنا چاہوں گا۔ ع

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی کے ایک مؤقر استاذ مولانا عبدالرحمن مصباحی نے ''سات ابلیسی شبہات'' کو کفر کا محور اصلی قرار دیا ہے، جو ''انا جیل اربعہ'' کی شرح اور ''توریت'' کے متفرق مقامات میں ملائکہ اور ابلیس کے درمیان بشکل مناظرہ مرقوم ہے۔ اس سے قطع نظر کہ انھیں محور اصلی قرار دینا کیسا ہے؟ مجھے زندگی میں اس نوعیت کا مضمون پہلی بار پڑھنے کو ملا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ کبھی اناجیل اربعہ کی زیارت نصیب ہوئی ہے، اور نہ ہی توریت کی تلاوت کا اتفاق۔ یہ حضرت مصباحی صاحب کا کرم ہے کہ ان سب کا ماحصل ہم کم رسید لوگوں تک پہنچا کر، نہ صرف ہماری معلومات میں اضافہ فرمایا، بلکہ محققین کے لیے فکر و نظر کی ایک نئی راہ ہموار کر دی ہے۔ اگر مندرجات ومشمولات میں مزید آسانی پیدا کر دی جاتی تو عوام مسلمین کے لیے بھی اصل مفہوم تک پہنچنا آسان ہو جاتا، تاہم مضمون اپنے مواد کے اعتبار سے منفرد و بے مثال ہے۔

مولانا ازہار احمد امجدی ازہری صاحب کا مضمون ''آداب اختلاف فقہا'' پڑھتے پڑھتے حیرت وافسوس کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔ کیسے تھے ہمارے اسلاف؟ اور ہم ان کے طریقہ کار سے کس قدر دور ہو چکے ہیں؟ افسوس صد افسوس ''فن اختلاف'' میں تو ہمیں مہارت حاصل ہو گئی، مگر ہم اس کے اصول وآداب اور اخلاقی قدروں سے عملاً نا آشنا ہی رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ داخلی انتشار اور افتراق کے ہم ایسے شکار ہوئے کہ اس نے ہمیں بہت سے محاذوں پر ناکام بنا کر رکھ دیا۔

خیال رہے کہ اصول اختلاف اور آداب اختلاف بھی ایک مستقل فن ہے، جس کی طرف برصغیر کے علمائے کرام نے بہت کم توجہ دی ہے، جب کہ اس موضوع پر علمائے عرب کی متعدد تصانیف دستیاب ہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی کی کتاب ''ادب الاختلاف فی الاسلام''، محقق محمد عودہ کی ''ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین'' ڈاکٹر صالح بن عبداللہ حمید کی ''ادب الخلاف'' اور ڈاکٹر سلمان فہد عودہ کی ''فقہ الاختلاف'' پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

''غیر منقسم ہندوستان میں فقہ حنفی کی اشاعت'' کے عنوان سے مولانا سید شہباز اصدق سہرامی کا مضمون بھی دلچسپیوں کا مرکز بنا۔ بلاشبہہ اس قسم کے موضوعات پر کام کی ضرورت ہے۔ ہاں، اس طرح کے تحقیقی کارنامے قوی و مستحکم حوالوں کی روشنی میں ہوں، تاکہ وہ ارباب علم وفضل کے مابین اعتبار واعتماد حاصل کر سکیں۔ حضرت سید گرامی فضل سے بھی امید قوی کہ ان نازک حقائق پر نظر رکھتے ہوئے قارئین کو جام وسبو عطا فرماتے رہیں گے۔ عہد حاضر میں تحقیقی موضوعات کا دائرہ وسیع کرنا علمی میدان میں ایک خوش نتیجہ انقلاب ثابت ہوگا۔

سید محترم نے زیر نظر مضمون میں ان تین نام نہاد مؤرخین کی تحریروں کو بھی بطور حوالہ پیش فرما دیا ہے، جنھوں نے تاریخ نویسی کے پس پردہ تاریخ سازی کرنے کی کوشش کی ہے، اور مختلف حیثیتوں سے ان کے ڈانڈے امت مسلمہ میں انتشار وافتراق کے ذمہ دار محمد بن عبدالوہاب نجدی سے ملتے ہیں۔ ان مؤرخین کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا اس راز سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ ان لوگوں نے جگہ جگہ تاریخ نویسی کے بہانے چودہ سو سالہ اعتقادات ومعمولات اہل سنت پر زبردست چوٹ کی ہے، اور اپنے خود ساختہ اور بدعی افکار ونظریات کو فروغ دینے میں غلطاں نظر آتے ہیں، پس قلمکاروں کو ایسے افترا پردازوں اور تاریخ سازوں سے دوری بنائے رکھنا ہی انسب واولیٰ ہوگا۔

اس مضمون میں حضرت سید صاحب کا یہ جملہ ''ہندوستان سے خواجہ ہند بابا رتن ہندی رضی اللہ عنہ گل طیبہ کی بھینی بھینی خوشبو کے سہارے ہندوستان سے کشاں کشاں شہر نبوی مدینہ منورہ پہنچے اور شرف صحابیت سے مشرف ہوئے''۔ تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے

محل نظر ہے۔ اس سلسلے میں چند سال پہلے ہی اسی رسالے کے معاون مدیر حضرت مولانا ازہار احمد امجدی مصباحی ازہری نے اچھی تحقیق فرمادی ہے، جسے خود انہیں کی کتاب ''تحقیقات ازہری'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، گو کہ ان کے اس تحقیقی مقالے میں بھی بعض مشمولات پر کلام کی گنجائش موجود ہے، مگر جس موقف کو انھوں نے ثابت کرنا چاہا ہے، اس میں وہ پورے طور پر کامیاب نظر آتے ہیں ۔اس میں انھوں نے بزور دلائل یہ ثابت کر دکھایا ہے کی بابا رتن ہندی کی طرف صحابیت کا انتساب روایۃً اور درایۃً کسی بھی اعتبار سے درست نہیں۔

شریعت اپلی کیشن ایکٹ: ۱۹۳۷ء کے نام سے مدیر پیغام مولانا طارق انور مصباحی کا دس صفحات پر مشتمل طویل مضمون کئی جہتوں سے متاثر کن ہے۔ فی الحال ہندوستان کی سیاست اوراس کے مضرات وحقائق کیا ہیں؟ اس کے پیچھے کن سازشیوں کے ہاتھ ہیں؟ ایسے وقت میں مسلمانان عالم کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب اس مضمون میں بہ آسانی مل جاتے ہیں۔ بالخصوص حدیث نبوی کی روشنی میں تین بڑی قوموں (نصرانی، یہودی اور ہندو) کی اسلام دشمنی کی جانب جو توجہ دلائی گئی ہے، وہ میرے لیے ایک نئی چیز تھی۔

ہندوستانی ایکٹ اور آرٹیکل کے حوالے سے جو بنیادی باتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔ طرز تحریر حد درجہ سائنٹفک ہے۔ ان کا خوبصورت جچے ہوئے انداز میں ٹھنڈے ٹھنڈے باوقار طریقہ سے باتیں کرنا خود قاری کو بھی سنجیدگی پر مجبور کر دیتا ہے۔مصباحی صاحب کی شائع ان تحریروں کے عقب سے ایک دردمند انسان جھانکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اور وہ بھی ایسا انسان جو کبھی اپنوں کی حالت زار دیکھ کر زار و قطار رو رہا ہوتا ہے، تو پھر خود ہی خود کو سنبھالا دے کر دم میں کچھ کر گزرنے کا خواب دیکھنے لگتا ہے۔ امید و بیم کی اسی کشمکش میں آ کر جب وہ ناصح بن کر نصیحت کرنے لگتا ہے تو پھر ہر جملہ اپنا ایک مقناطیسی اثر رکھتا ہے۔ شمارہ مئی ۲۰۱۷ء کے ص ۳۵ تا ۳۷ کا مطالعہ کر ڈالیے تو پھر ان کا مرثیہ و ماتم فکر ونظر کو جھنجھوڑے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چند اقتباسات منقولہ ذیل ہیں۔

(۱) سال ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ ترکیہ کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں میں لامرکزیت پیدا ہوئی۔جس کے دل میں جو آیا، بولتا گیا۔کوئی کسی کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

(۲) مشرق وسطیٰ تباہ ہو چکا ہے۔افغانستان وعراق کو امریکہ نے تباہ کیا، پھر لیبیا، مصر، شام ودیگر مسلم ممالک کے حالات روز بروز کیوں ابتر ہوتے چلے جا رہے ہیں؟ میانمار، انڈیا ودیگر ممالک عالم میں مسلمانوں پر ظلم کیوں ہو رہا ہے؟

(۳) چند دہائیوں سے لامرکزیت کی آفت نے مسلمانان اہل سنت کو انتہائی کرب واضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے۔آج تک اس زہر قاتل کا تریاق دریافت نہ ہو سکا، ہر مجرب نسخہ بے اثر ثابت ہوا۔

(۴) عہد حاضر کے بعض علما میں عہد عباسی کے مناظرین کا رنگ نظر آتا ہے۔تاتاری لشکر آسمانی بلا کی طرح بغداد کی جانب بڑھتا آ رہا تھا اور علمائے بغداد باہمی مناظروں میں مست وبیخود تھے۔

(۵) اے قوم کے پاسبانو! ناامیدی، اقوام عالم کو ہر محاذ پر ہلاک کرتی آئی ہے۔

(۶) فطرت الٰہیہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کے حق میں جیسا اعتقاد رکھتا ہے، ویسا ہی وہ دربار الٰہی سے حصہ پاتا ہے۔لہٰذا ہمیں رب تعالیٰ کے حق میں ہمیشہ نیک اعتقاد رکھنا چاہئے۔

(۷) اے قوم! جاگو! چند مسلم خواتین کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تھا۔اب تمہارا خون اس قدر سفید ہو چکا ہے کہ تم قانونی چارہ جوئی کے لیے بھی آمادہ نظر نہیں آتے ہو۔تمہارا جذبہ ایمانی کہاں گیا؟

(۸) قوم کے جیالو! عصر حاضر میں ہر کوئی تخت قیادت کو اپنا

موروثی حق تصور کرتا ہے۔

(۹) اے ہندی مسلمانو! ملکی سیاست پر فرقہ پرستوں کا قبضہ قوی سے قوی تر ہوتا جا رہا ہے، اب تمہیں جاگنا ہی پڑے گا۔ رب تعالیٰ نے ابھی تمہیں غور وفکر اور حرکت وعمل کی مہلت عطا فرمائی ہے۔ طبقات ماضیہ کے عبرتناک انجام پر غور کرو۔

غرض کہ پورا مقالہ بڑا متاثر کن ہے، مگر آہ! کاش اسلام کی عزت مآب شخصیتیں اور ارباب اقتدار قائدین بھی ان کی اس چیخ و پکار کو سن پاتے، جن کے لیے خصوصی طور پر یہ ''بزم آہ وفغاں'' منعقد کی گئی ہے اور سطر سطر دعوت انقلاب دے رہا ہے۔

چلتے چلتے اس جملے پر نظر رک گئی۔ '' ان میں سے دس قوانین قوم مسلم سے متعلق ہیں۔ مسلم قوانین میں سے بہت سے قوانین کو فرسودہ قوانین قرار دے کر مسترد کرنے کی عملی کوشش کئی دہائیوں سے جاری ہے .... وہ قوانین مندرجہ ذیل ہیں''۔ پھر ذیل کے سطور میں چھ قوانین کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔'' خدانخواستہ اگر مذکورہ بالا قوانین کو مسترد کر دیا گیا تو مسلم قوانین میں سے صرف ''ایک اہم قانون''، یعنی ''تحفظ حقوق مسلم مطلقہ خاتون ایکٹ: ۱۹۸۶ء'' باقی رہ جائے گا''۔

یہاں پر یہ معمہ مجھ سے نہ حل ہو سکا کہ جب دس قوانین میں چھ کو فرسودہ قرار دے کر مسترد کر دیا جائے گا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تو صرف ایک ہی کیوں بچے گا؟ ایک توجیہ یہ سمجھ میں آئی کہ یہاں پر ''ایک اہم قانون'' کے باقی رہنے کی بات کہی گئی ہے، مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بقیہ تین غیر اہم کیوں ہیں؟

اسی طرح دانیال لطیفی اور وزیر عارف محمد خاں کے واقعات میں حسن ترتیب کی رعایت نہ ہو سکی۔ عنوان ''سونے والے جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے'' کے تحت ہی دونوں واقعات کو ہونا چاہئے تھا، اور ذیلی عنوان ''مجھے رہزنوں سے غرض نہیں، تیری رہبری کا سوال ہے'' کا مضمون ''سال ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ ترکیہ... الخ'' سے شروع ہوتا تو اچھا ہوتا۔ بعض مقامات پر نظام املا کے حوالے سے بھی کچھ انتشار دیکھنے کو ملا۔ اسی طرح پورے مضمون میں عیسوی تاریخ کا استعمال کرتے کرتے بیچ میں دور عباسی کو ہجری تاریخ کے ساتھ ذکر کرنا مضمون کی یکسانیت کو متأثر کر رہا ہے، گرچہ مضمون کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

دیگر قلم کاروں کے مضامین بھی پسند آئے۔ اس شمارے کے اخیر حصے میں ''تحریری انعامی مقابلہ: سال ۲۰۱۶ء'' میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی رپورٹ اور انعامات کی تفصیل درج ہے۔ قلم کاروں کی اکثریت طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور پر مشتمل ہے۔ قرطاس وقلم کے حوالے سے نوجوان نسل اور طلبہ میں بیداری لانے کے لیے ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کا یہ اقدام بڑا خوش آئند ہے، اور اس سلسلے میں مستقل کالم ''باغ وبہار'' سے بھی اچھے پھل آنے کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ ''پیغام شریعت ٹیم'' کو سلامت رکھے: آمین

تبصرہ بر شمارہ جون ۲۰۱۷ء

آیئے، اب شمارہ جون ۲۰۱۷ء کی سیر کرتے ہیں۔ اس بار اداریہ میں بریلی شریف کی فقہی مجلس ''شرعی کونسل آف انڈیا'' کے چودہویں فقہی سیمینار کے فیصلوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جدید مسائل میں تحقیق کرنے والی کونسل کے ارکان واعوان کو سلامت رکھے۔ (آمین) مدیر اعلیٰ کے حسن ترتیب کو ایک بار پھر داد دیجئے کہ ماقبل کے اداریہ میں بتایا کہ ''ناسا'' نے زندگی کی تلاش میں سات سیاروں کی ایک نئی دنیا دریافت کر لی ہے، پھر معاً بعد ہی مفتیان کرام کی درجنوں دریافت لے کر جلوہ گر ہوئے ہیں۔ گو کہ کام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں کا میدان الگ الگ ہے۔ ایک خالق سے بحث کرتے ہیں، دوسرے مخلوق سے، پھر یہ تقابل کیسا؟ مگر ''دریافت'' کے امر مشترک ہونے میں

کسے شبہہ ہوسکتا ہے۔

یہ مفتیان کرام کی خوش نصیبی ہے کی وہ ایک موہوم ومشتبہ دنیا کی دریافت میں لگنے کی بجائے خدائی دنیا کو آباد کرنے اور اس کی نت نئی جہتوں کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کے مسائل کی شرعی توضیح و تنقیح میں مصروف عمل ہیں۔ مدیر اعلیٰ کا یہ جملہ ''دو تین نئے موضوعات کے ضمن میں درجنوں سوالات حل ہو کر منظر عام پر لائے جاتے ہیں''۔ ترکیبی اعتبار سے محل نظر معلوم ہوا۔ میرے خیال میں یہاں پر ''حل ہو کر'' کی بجائے ''حل کر کے'' یا پھر ''حل ہو کر منظر عام پر آتے ہیں'' ہونا چاہیے۔

''مریض اور مسافر کے روزوں کا حکم'' کے عنوان سے سیاح ممالک عالم حضرت مفتی قمر الحسن بستوی نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ رمضان کی مناسبت سے قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔ علمی اعتبار سے پورا مقالہ دلائل و براہین سے مبرہن ہے۔ البتہ بعض مقامات پر حوالہ نویسی کا انداز مزید کچھ توجہ کا طالب دکھائی دیتا ہے۔ اگر مفتی محترم کتاب کا نام رقم کرنے کے ساتھ صفحہ نمبر، باب، مطبع، سن طبع وغیرہ حوالہ جاتی لوازمات تحریر فرما دیتے تو یقیناً شائقین علم و دانش پر آنجناب کا احسان مستزاد ہوتا۔

صاحب درمختار علامہ علاؤ الدین حصکفی علیہ الرحمہ کے نام میں ''حصکفی'' کی جگہ ''مصکفی'' دیکھنے کو ملا۔ کمپوزر اور تصحیح کنندہ کو ان امور میں باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت ہے، ورنہ قلیل العلم افراد غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

''شرعی مسائل'' کے کالم اس بار حضرت مفتی قاضی فضل احمد مصباحی صاحب قبلہ کے جوابات زینت شمارہ ہیں۔ قاضی صاحب ایک منجھے ہوئے مفتی ہیں اور حالات حاضرہ پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں۔ مفتی موصوف نے مسجد میں مال زکوٰۃ خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، اس پر دل مطمئن نہیں ہو رہا ہے۔ ایک مستفتی کی حیثیت سے عرض ہے کہ آج حیلہ شرعی ہی کا کرشمہ ہے کہ صدقات واجبہ کے تقریباً 70 فیصد مال اہل مدارس لے جا رہے ہیں اور صرف 30 فیصد ہی اصل مستحقین تک پہنچ رہا ہے۔ اگر حیلہ شرعی کے بہانے صدقات واجبہ کا دہانہ ہر کار خیر کے لیے کھول دیا جائے تو پھر معاشرہ کے مفلوک الحال، غربا، یتامی، مساکین اور بیواؤں کا کون پرسان حال ہوگا؟ وہ تو بے چارے منہ تکتے رہ جائیں گے۔ کیا یہاں ''**الضرورة تتقدر بقدر الضرورة**'' کا فقہی قاعدہ جاری نہیں ہوتا؟

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ کے اسباب وعلل پر مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی نے بڑی محققانہ گفتگو فرمائی ہے۔

ع چشم ما روشن دل ما شاد

مولانا صادق رضا مصباحی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک بے باک صحافی ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں بچ بچا کر بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ ندرت خیالی اور حکمت بیانی میں سنی نوجوانوں کے مابین ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ ایک جگہ کمپوزر نے ان کی معنی خیز تحریر ''مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ بالواسطہ طور پر اسلامی تعلیمات تک ہی پہنچ رہے ہیں، چاہے وہ اسلام کا نام نہ لیں یا نہ لیں'' (ص:۴۴) کو بے معنیٰ بنا کر رکھ دیا ہے۔

مدیر محترم حضرت مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا) بی جے پی اور آر ایس ایس کی خفیہ سازشوں پر مسلسل بے تکان اور بے تکان لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی انگلیوں کو سلامت رکھے۔ آپ کے مضامین جس قدر معلوماتی اور قیمتی تحقیقات پر مشتمل ہوا کرتے ہیں، اس کے پیش نظر میرا مشورہ ہے کہ اس کی خوب خوب اشاعت ہونی چاہیے، ہر طبقے میں جانا چاہیے۔ ہندوستان میں اردو جاننے والوں کا تناسب بے حد کم ہے، لہٰذا ان مضامین کی ہندی و انگریزی اشاعت کی اگر کوئی سبیل نکل سکے تو اس میں تاخیر نہیں کی جانی چاہیے: **خدا حافظ**

☆☆☆

روہنگیا مسلمانوں کی فصل کٹ چکی، برما امن کا اعلان کرے گا
تشدد کے جراثیم ہنوز باقی

غلام مصطفیٰ رضوی [نوری مشن مالیگاؤں]

اسلام کے معنی سلامتی کے ہیں جو امن کا مترادف ہے۔ جہاں سلامتی ہو گی وہاں رحمت، عافیت، خیر و راحت کا ماحول ہوگا۔ اسی لیے اسلام دنیا کے جس علاقے میں پہنچا؛ وہ امن وسکوں کا گہوارہ بن گیا۔ صدیوں تک یورپ جہالت کا مسکن تھا، افریقی قبائل جنگ وجدل کے رسیا اور انسانی جذباتِ خیر سے محروم تھے۔ دنیا کے اکثر علاقے جنگلی، اجڈ، گنوار خصلتوں کی حامل اقوام سے بھرے تھے۔ خود ہمارے ہندوستان میں اونچ نیچ کی کھائیاں گہری تھیں۔ عورتوں سے بدسلوکی فطرتِ ثانیہ تھی۔ ان کے حقوق کا کوئی تصور نہ تھا۔ اسلام باہمی حقوق کو تحفظ دے کر عام فرد کے معاملات سے لے کر خالقِ حقیقی کے عرفان تک رہنمائی کرتا ہے۔

تشدد کے مقابل جدوجہد: تشدد، ظلم، غیر انسانی رویوں کے خاتمہ کی کوششوں کا نام جہاد ہے۔ جہاد کی تعبیریں درحقیقت رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سے ملتی ہیں۔ جب کہ کفارِ مکہ نے خالقِ حقیقی کی راہ کی طرف پیشِ رفت کی بجائے حق سے منھ موڑا۔ غیر خدا کی پرستش کو شیوہ بنایا۔ اللہ کا عرفان حاصل کرنے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ تشدد کے وہ مظاہرے کیے جس کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔ ان سب کے باوجود بے پناہ غیبی علوم کے حامل پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقائد کی اصلاح کی اور جب وقتِ جہاد آیا تو ظلم کا سر نیچا ہوا؛ مظلوم کی دادرَسی ہوئی۔ دہشت گردی کی بخیہ گیری کی گئی۔ اسلامی جہاد قیامِ امن کی علامت ہے۔ تشدد کی سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی جن کے خاتمہ کے لیے غزوات وسرایا ہوئے۔ سیرت کا پہلو جہاد حقیقتاً دین کی سربلندی؛ ظلم کی پسپائی اور تشدد کے خاتمہ کے لیے تھا۔ جس کے نتائج دنیا نے دیکھے کہ ایک صدی کے اندر پوری دنیا میں انسانی عظمتوں کا سویرا نمودار ہوا۔ دنیا کے جس خطے میں مسلمان گئے اپنے ساتھ اسلامی اخلاق کا جوہر لے کر گئے جس کے سائے میں بھٹکے ہوئے قافلے پناہ گزیں ہوئے۔

تلوار ظلم کے مقابل: انسانیت کو جب بھی دہشت زدہ کیا گیا اور ظلم حد سے بڑھ گیا تو اس وقت اسلامی جہاد نے سکون قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جہادِ اسلامی کے نتیجے میں امن کا ماحول تیار ہوا۔ اسلام کی فطری تعلیمات نے دلوں کو متاثر کیا۔ کہیں بھی اسلام کے دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں زبردستی یا تلوار کا حصہ نہیں ملے گا۔ اسی لیے قرآن کا ارشاد ہے: لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (سورۃ البقرۃ:۲۵۶) "کچھ زبردستی نہیں دین میں" (کنزالایمان)

یہ آیت کریمہ ہر طرح کے تشدد اور اسلامی عقائد کی تبلیغ میں دباؤ کی نفی کرتی ہے۔ اس کا اہم پہلو مشاہداتی ہے؛ جہاں بھی مسلم حکومتوں کا زوال ہوا۔ اقتدار جاتا رہا اور اسلام باقی رہا۔ ایمان والے موجود رہے۔ ورنہ اگر زبردستی یا تلوار کا دخل اسلام کے لیے ہوتا تو اقتدار کے زوال کے ساتھ ہی اسلام بھی زوال پذیر مملکتوں میں باقی نہ رہتا۔

اشاعت دین کے فطری طریقے: دنیا میں جہاں کہیں بدامنی وتشدد کا دور دورہ ہے وہاں پر قیامِ امن کے لیے اسلامی ضابطے ہی ممکن العمل ہو سکتے ہیں۔ اسی پہلو نے تمام باطل

قوتوں کو اسلام کے خلاف جھوٹی تشہیر پر آمادہ کیا۔ سچ کے راستے کو بھلانے کے لیے پروپیگنڈے کی راہ نکالی گئی۔ جب کہ اسلامی تبلیغ کا راستہ قرآن کی زبان میں یوں ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (سورۃ النحل: ۱۲۵)

''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو'' (کنزالایمان)

جو لوگ اسلام سے بیزار ہیں اور تشدد کی وارداتوں سے اسلام کو جوڑ رہے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اسلامی تعلیمات سے لوگ واقف ہوتے چلے گئے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔ اسی لیے ہر لحظہ ہر لمحہ وہ اس کوشش میں ہیں کہ بدامنی وظلم وستم کی آندھیوں کو اسلام سے منسوب کریں۔ جب کہ اسلامی جہاد بھی صرف ظالم کے خلاف ہے؛ جو بستیوں، کھیتیوں، بوڑھوں، بچوں، عورتوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔ آج میانمار (برما) کی زمیں پر بوڑھوں، بچوں، عورتوں کو جو نشانہ بنایا جا رہا ہے وہ انسانی حقوق کی بدترین پامالی کی مثال ہے۔ حال کا یہ تشدد اس وقت اور بھیانک ہو جاتا ہے جب صنفِ نازک کی عصمتوں سے وہ کھیل رہے ہیں جو یا تو بودھ مذہبی قائدین ہیں یا برمی محافظ (فوجی) ہیں؛ جو اپنے ہی ملک کی ایک غریب لٹی پٹی قوم کو زندہ جلا رہے ہیں، ظلم کی یہ صبح شامِ غم بن چکی ہے، تمام انسانی حقوق کے دعوے دار بلوں میں گھسے ہیں۔ مسلم ممالک امریکہ واسرائیل کے چرنوں پر قربان ہیں۔

تشدد کی مہم مکمل اگلی مہم کی تیاری:

اس وقت دنیا بھر میں عوام سراپا احتجاج ہیں۔ وہ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ برما میں مذہبی جنونی یا فوجی؛ روہنگیا مسلمانوں کے اوپر ظلم کے پہاڑ توڑنے بند کریں۔ ہمیں پتا ہے کہ اب چند دنوں میں برما امن کے قیام کا اعلان کر دے گا۔ کیوں کہ شاید اس کی مہم پوری ہو چکی۔ فصلِ انسانی کٹ چکی ہے۔ اب مزید فصل پکنے وقت لگے گا۔

تب پھر ایک نئی شام غم نمودار ہوگی؛ پھر تشدد، عصمت ریزی اور انسانی جانوں سے کھلواڑ۔ ہاں! دہشت گردی کی بدترین مہم شاید مکمل ہونے کو ہے۔ لاکھوں خانماں برباد بے سہارا وخوف کی تصویر بنے کیمپوں میں پڑے ہیں۔ عزیز الگ لٹ چکے، جو موجود ہیں وہ یا تو زخمی یا معذور ہیں یا پھر باقی زندگی غم واندوہ کے ساتھ گزارنے کے لیے خود کو تیار کر رہے ہیں۔

مسلمان احتجاج کرتے ہیں۔ یو این او قیام امن کی اپیل کرتا ہے۔ فصلِ انسانی کی بہاریں لٹتے دیکھتا ہے۔ جب محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی ہوگئی تو پھر امن کا واویلا کر کے مسلم بزدل حکمرانوں کی طرف سے داد وتحسین وصولتا ہے۔ یہ عمل ہر خطے میں جاری ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ذریعے خونیں صبحوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ تمام واقعات وقرائین سے یہ نتیجہ رونما ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی اسی وقت کامیاب ہوگی جب وہ اسلامی احکام کو حیات کے گلشن میں بسا لے۔ اس لیے کہ اسلام پر استقامت اختیار کر کے ہی دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔☆

اعلان: جو حضرات اپنی تحریر اس رسالے میں شائع کرانا چاہیں وہ کمپوز کرا کے بھیجیں تو من وعن شائع کرنے میں آسانی ہوگی۔ کچھ لوگ اپنے مضامین جس ماہ میں طبع کرانا چاہتے ہیں اسی ماہ کے شروع میں بھیجتے ہیں جب کہ اس سے ایک ماہ قبل رسالہ تیار ہوتا ہے یعنی جنوری کا شمارہ دسمبر میں تیار کیا جاتا ہے لہٰذا اس کے لیے کوئی تحریر نومبر کے آخر یا دسمبر کے شروع میں موصول ہوئی تب ہی شامل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مضمون نگار حضرات اس کا لحاظ رکھیں۔ کچھ تحریریں ایسی موصول ہوتی ہیں جو لائق اشاعت ہوتی ہیں لیکن دیر ہو جانے کے سبب بے محل ہو جاتی ہیں اس لیے شامل نہیں ہو پاتیں، لہٰذا اس کا لحاظ رکھیں:

مضامین اس پتے پر ای میل کریں:

Paighameshariat@gmail.com

باغ وبہار

مدارس اسلامیہ کے طلبا وطالبات اور اسکول وکالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق وتربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین {Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ وکلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ وبہار'' کے مضامین درج ذیل ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ پیغام شریعت: دہلی)

tariqueanwer313@gmail.com

مجدد اعظم کو غوث اعظم سے ارتباط لازم کیوں؟

غلام حسین بن خلیل احمد (سدلگٹہ، کرناٹک)　　درجہ خامسہ: جامعہ حضرت بلال ٹیانری روڈ (بنگلور)

بارگاہ الٰہی سے منسلک ہونے کے لیے وسیلہ کی ضرورت ہے۔ہر سالک کے لیے کوئی شیخ سلوک ہونا لازم، پھر وسائل کے مرجع ومرکز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔اگر وسیلہ سے گریز کیا تو شیطان، سالک کے دل ودماغ پر قابض ہو کر گمراہ کرڈالتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ (سورہ مائدہ: آیت ۳۵) ترجمہ: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔(کنز الایمان)

امام اہل سنت نے فرمایا۔جو منازلِ باطن کا مسافر ہو، اسے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع لازم، گرچہ وہ افراد ہی کیوں نہ ہوں۔(الملفوظ ج۴ص۱۳)

مجدد موصوف نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو بکمالِ قوت اپنے قلب وذہن میں مستحکم کرلیا، اور چونکہ وہ راہ سلوک کے بھی سالک تھے، اس لیے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ربط وتعلق کو بھی قوی ومستحکم بنایا، یہاں تک کہ اب ان کا قلب وذہن اختیاری یا غیر اختیاری طور پر کسی اور ولی وقطب کے تصور کے وقت بھی حضور غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ومتوجہ ہوجاتا، جیسا کہ خود انہوں نے فرمایا کہ دربارِ محبوبِ الٰہی میں حضرت نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ سے استعانت کا تصور ہونے کے باوجود بھی زبان سے ''یاغوثاہ'' منطوق ہوا۔ آپ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔''یک درگیر ومحکم گیر''۔(الملفوظ ج۳ص۵۹،۶۰)

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم امام موصوف کے عشق نبوی کی توضیح وتشریح میں خوب دلچسپی لیتے ہیں، لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ ہم بھی اپنے ہادی ورہنما اور اپنے امام ومقتدا کے نقشِ قدم کو چومتے ہوئے اپنے دلوں کو عشق مصطفوی کے انوار وتجلیات سے منور ومجلّٰی کریں؟ اور ہم بھی کچھ پائیں ،جیسا کہ انہوں نے بہت کچھ پایا۔ولایت کے لیے راہ سلوک طے کرنا لازم ہے یا محض تذکرۂ اولیاء کافی؟ صالحین کے خصائل حمیدہ اسی لیے تحریر وتقریر میں لائے جاتے ہیں، تاکہ قارئین وسامعین پڑھ، سن کر عمل کریں، نہ کہ محض واہ واہ کریں اور اپنا سر دھنیں۔

امام احمد رضا قادری منزل سلوک کے بھی راہی تھے، اس لیے انہیں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع ہونا لازم تھا۔ آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا۔''(پنجم) جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔تعلیم طریقت حضور پرنور پیر ومرشد برحق سے حاصل کیا۔۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد وسجادہ نشیں کے سپرد فرمایا۔حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت وعلم تکسیر وعلم جفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج۱ص۹۴،۵۶-امام احمد رضا اکیڈمی: بریلی شریف)

ایک سیاسی رہنما اور جلوس محمدی کا اہتمام

محمد عبدالرزاق بن اللہ بخش آمری: گردہلی (بنگلور) درجہ سادسہ: جامعہ حضرت بلال ٹیانری روڈ (بنگلور)

ریاست کرناٹک کے مشہور ومعروف اور ہردلعزیز سیاسی رہنما، رکن اسمبلی، سابق وزیر ریاست کرناٹک وسابق رکن پارلیامنٹ ڈاکٹر قمر الاسلام بن نورالاسلام جنوبی ہند کی ایک نابغہ روزگار شخصیت اور عظیم سیاسی رہنما تھے۔

وہ ہرسال بارہ ربیع الاول شریف کوگلبرگہ شریف میں منعقد ہونے والے جلوس محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اہتمام میں کئی ہفتوں پہلے لگ جاتے۔ وہ زندگی بھر اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کی فلاح وبہبود کے لیے کوشش کرتے رہے۔ الحاج قمرالاسلام صاحب اوقافی جائیداد کی حفاظت کے لیے بھی ہمیشہ فکرمند رہتے۔ ڈاکٹر قمرالاسلام زندگی کے آخری سالوں میں کانگریس پارٹی سے وابستہ تھے۔

الحاج قمرالاسلام نے 1974 سے مسلم لیگ سے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ ان کا سیاسی سفر 43 سال پر مشتمل ہے۔ وہ تین مرتبہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر رکن اسمبلی منتخب ہوئے، اور تین مرتبہ کانگریس کے ٹکٹ پر رکن اسمبلی ہوئے 1996 میں جنتا دل کے ٹکٹ پر لوک سبھا کے رکن منتخب ہوئے۔ ریاست کرناٹک میں 1999 سے 2004 تک لیبر اور ہاؤزنگ کے وزیر ہوئے۔ سدرامیا کی حکومت میں 2016 تک پبلک انٹرپرائزز، وقف، اقلیتی بہبود، حج، اربن ڈیولپمنٹ کے وزیر رہے۔ اس کے بعد سونیا گاندھی نے ریاست کیرلا کی کانگریس کمیٹی (آل انڈیا کانگریس کمیٹی) کا سیکریٹری بنادیا۔

الحاج قمرالاسلام کا 18 / ستمبر 2017 کو 69 / برس کی عمر میں نارائن ہردالیا اسپتال (بنگلور) میں انتقال ہوگیا۔ آپ کی پیدائش 27 جنوری 1948 کو ہوئی تھی۔ آپ کا جسد خاکی آبائی وطن گلبرگہ لے جایا گیا اور بروز منگل بعد نماز عصر گلبرگہ شریف میں تدفین عمل میں آئی۔

تاریخ عالم میں ایسے بہت سے مسلم سلاطین اور امراو حکام کے نام ملتے ہیں جو دینداری، تقویٰ اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنی مثال آپ تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز، سلطان نورالدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان محمد فاتح دوم، سلطان محمود غزنوی، سلطان شمس الدین التمش، سلطان شاہجہاں، سلطان اورنگ زیب عالمگیر، وغیرہ۔ اس طرح ایک طویل فہرست ہوسکتی ہے۔ آج بھی بعض سیاسی رہنماؤں میں ان اسلاف کرام کا عکس نظر آتا ہے۔ جس قوم کے سلاطین وحکام عشاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگذرے ہوں، اس قوم کو بھی عشق نبوی میں انہیں کی طرح خود رفتہ ہوجانا چاہئے۔

مدارس میں رشوت خوری: اسباب وتدارک

امجد رضا بن عظیم الدین: سنار کھاپ، اورنگ آباد (بہار) درجہ سابعہ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی)

مال وثروت دنیا کی سب سے زیادہ پرکشش چیز ہے، ہر شخص اس حقیقت کا معترف ہے۔ دولت کی اسی بے انتہا جاذبیت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس کو بندوں کی آزمائش کا سامان قرار دیا ہے۔ دنیا کے تمام جرائم کی پیداوار میں مال ودولت ہی کی محبت کارفرما ہے۔ دولت وثروت اور جاہ وحشمت کا جادو اچھے اچھوں کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔ دولت کی حرص وطمع اور اس کے بطن سے پیدا شدہ نحوست ومعصیت کا بادل آج مدارس پر بھی منڈلا رہا ہے، جہاں اس ہردل عزیز، فتنہ انگیز، سفاک محبوب کے شہ پر ہزاروں ناجائز کام انجام دیئے جارہے ہیں۔

مدارس اسلامیہ جہاں اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ آج وہی اسلامی مدارس رشوت کے مراکز بن چکے ہیں۔ مال ودولت جس کو اسلام میں ذریعہ آزمائش اور محض برتنے کا سامان کہا گیا ہے، آج اسی حقیر چیز کے حصول کے لیے مذہبی تعلیم گاہوں میں بھی رشوت کا کالا بازار گرم کردیا گیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں مدارس کا جائزہ لینے پر یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ زیور تعلیم سے مزین کرنے والے اساتذہ اور اراکین مدارس نے اس قابل نفرت شئ کو اپنی پوری کائنات اور اس کی تحصیل کو سب سے اولین مقصد بنالیا ہے۔ دولت کے ان حریصوں کے نزدیک مدارس میں ملازمت کی بحالی کے لیے صلاحیت وسند کوئی معنی نہیں رکھتی، بلکہ رشوت کے زور پر نوکریاں حاصل کی جارہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب استعداد اور قابل اساتذۂ کرام ملازمت سے محروم رہ جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کو منصب تدریس پر فائز کردیا جاتا ہے، جن کو اسلامی علوم میں کافی مہارت اور تعلیمی تجربہ بھی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ جب قوم کے مستقبل کی باگ ڈور ناخواندہ اور ناعاقبت اندیش افراد کے ہاتھوں میں ہوتو قوم کا حال انتہائی ابتر ہوگا۔ ملت اسلامیہ کے احوال وکوائف بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

تحصیل دولت کا طلسم اور مالدار بننے کا نشہ اسی پر نہیں ٹوٹتا، بلکہ اس دنیائے فانی کی محبت میں اندھے ہوکر کئی ایک سے رشوت لیتے ہیں اور ملازمت صرف اپنے قریبی اور مضبوط وسائل والوں کو ہی ملتی ہے۔ مذہب اور تعلیم کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو لوٹنے والے یہ ثروت پرست عناصر صرف ایک طریقہ سے مال وزر کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے، بلکہ متعدد طریقوں سے اس طرح کے ناجائز کام کیے جارہے ہیں۔ سرکاری مدارس میں بورڈ کے امتحان کے لیے داخلہ کی منظوری اور امتحانات کی آڑ میں کن کن حیلوں اور حربوں سے عوام کو لوٹا جارہا ہے، یہ دردناک حقیقت کسی پر مخفی نہیں۔

ان تمام چیزوں کی سب سے اہم وجہ ان کا غیر مخلص، دنیا پرست اور طلبگار جاہ وحشمت ہونا ہے۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف یہ افراد دنیا میں رہ کر دنیا کے ہوکر رہ گئے۔ انہیں اس بات کی فکر بھی نہیں کہ علوم کے مطابق عمل نہ کرنے کا انجام کیا ہوگا؟ بس عمدہ اور حسین خوابوں کی تعبیر تلاش کرنے اور عیش وآرام کے اسباب کی فراہمی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دھن میں مگن ہوکر بلا فرق وامتیاز ہر قسم کی دولت بٹورنے میں لگے ہوئے ہیں۔ عواقب ونتائج سے بے خبر افراد کو، اسلام کے روشن مستقبل کو پیوند خاک کرنے میں کوئی ننگ وعار محسوس نہیں ہوتی۔ اس طرح انہوں نے مولوی قوم کو بے قدر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

ملت کے دردمندوں سے مخلصانہ گذارش ہے کہ ایسے جرائم پیشہ افراد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ مدارس اسلامیہ میں رشوت خوری اور دیگر خرافات واستحصال کے خلاف اجتماعی طور پر مظاہرہ کریں اور حتی الامکان قوم کی صحیح رہنمائی کریں۔ اللہ ہم سب کو توفیق خیر سے شادکام فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

برطانوی ہند کے گورنر جنرلس

Governor Generals of British India

مصباح المصطفٰی بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس نہم: ہسوا ہائی اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے مقصد سے ہندوستان میں داخل ہوئی، پھر رفتہ رفتہ اس نے پورے ملک پر قبضہ جمالیا۔ سال ۱۷۷۲ء سے حکومت برطانیہ کی جانب سے ہندوستان کے لیے گورنر جنرل (Governor Generals) مقرر کیے جانے لگے۔ گورنر جنرل کو وائس رائے (Viceroy) بھی کہا جاتا تھا۔ ۱۷۷۲ء سے ۱۹۵۰ء تک کل 41 گورنر جنرل ہوئے۔ ان میں سے کارنوالس اور ماؤنٹ بیٹن کی تقرری دوبار ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن کو دوسری بار ملک ہند کی مجلس دستور ساز نے منتخب کیا تھا۔ اسی طرح بعض گورنروں کی مدت گورنری بہت قلیل مثلاً پندرہ دنوں سے بھی کم رہی ہے۔ آخری برطانوی گورنر جنرل راج گوپال آچاری ہندوستانی ہے۔

چونکہ گورنروں کے نام انگریزی زبان کے ہیں، اس لیے محض اردو میں ان ناموں کو لکھنے سے صحیح تلفظ (Pronounce) کو جاننا مشکل ہوگا، نیز اردو زبان میں حرکت وسکون لکھنے کا رواج بھی نہیں، اس لیے انگلش زبان میں نام لکھے جاتے ہیں۔ نام کے بعد قوسین اول (1st Bracket) میں تاریخ ولادت ووفات درج ہے، اور قوسین دوم (2nd Bracket) میں مدت گورنری مرقوم ہے۔ بعض گورنر اپنے نام سے

مشہور ہوئے، اور بعض کی شہرت ان کے لقب یا نام کے کسی جز سے ہوئی۔ اگر لقب یا اسمی جز سے شہرت ہے تو اس لقب یا اسمی جز کو خط زدہ (Underlined) کر دیا گیا ہے۔نشان زدہ لفظ سے قبل سر/مسٹر (.Sir / Mr) لگانا چاہئے۔ برطانوی عہد میں لارڈ (Lord) لگایا جاتا تھا، اس کا معنٰی رب اور آقا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے لیے برطانیہ کے مقرر کردہ گورنر جنرل کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

1-Warren Hastings (1732-1818)	{1772-1785}
2-John Macpherson (1745-1821)	{1785-1786}
3-Charles Cornwallis (1738-1805)	{1786-1793}
4-John Shore (1751-1834)	{1793-1798}
5-Alured Clarke	{1798, March to May}
6-Richard Wellesley , Mornington (1760-1842)	{1798-1805}
7-Charles Cornwallis (1738-1805)	{1805, July to Oct.}
8-George Hilaro Barlow (1763-1846)	{1805-1807}
9-Gilbert Elliot Murray Kynynmound, Minto 1 (1751-1814)	{1807-1813}
10-Francis Rawdon, Hastings (1754-1726)	{1813-1823}
11-William Pitt Amherst (1773-1857)	{1823-1828}
12-William Henry Cavendish Bentinck (1774-1839)	{1828-1835}
13-Charles Metcalfe	{1835-1836}
14-George Eden, Auckland (1784-1849)	{1836-1842}
15-Edward Law, Ellenborough (1790-1871)	{1842- 1844}
16-Henry Hardinge I (1785-1856)	{1844-1848}
17-James Andrew Broun Ramsay, Dalhousie (1812-1860)	{1848-1856}
18-Charles John Canning (1812-1862)	{1856-1862}
19-James Bruce, Elgin I (1811-1863)	{1862-1863}
20-Robert Napier	{1863, Nov toDec}
21-William Denison	{1863-1864}
22-John Laird Mair Lawrence (1811-1879)	{1864-1869}
23-Richard Southwell Bourke, Mayo (1822-1872)	{1869-1872}
24-Thomas George Baring, Northbrook (1826-1904)	{1872-1876}
25-Edward Robert Bulwer, Lytton (1831-1891)	{1876-1880}
26-George Frederick Samuel Robinson, Ripon (1827-1909)	{1880-1884}
27-Frederick Temple Hamilton, Dufferin (1826-1902)	{1884-1888}
28-Henry Charles Keith Petty, Lansdowne (1845-1927)	{1888-1894}
29-Victor Alexander Bruce, Elgin II (1849-1917)	{1894-1899}
30-George Nathaniel Curzon (1859-1925)	{1899-1905}
31-Gilbert John Elliot Murray Kynynmound, Minto II(1845-1914)	{1905-1910}
32-Charles Hardinge II (1858-1944)	{1910-1916}

بقیہ صفحہ 42 پر

منقبت در شان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ

بچایا ہے ایمان کس نے رضا نے

نتیجہ فکر
سید اولادرسول قدسی مصباحی، نیویارک امریکہ

☆☆☆☆

کیا ہم پہ احسان کس نے رضا نے
بچایا ہے ایمان کس نے رضا نے

یہ جذبہ کیاپیدا دل میں ہمارے
ہوآقا پہ قربان کس نے رضا نے

کہو حق کو حق اور باطل کو باطل
دیا ایسا عرفان کس نے رضا نے

چمکتا ہر اک شیشہ ہیرا نہیں ہے
دیا ہم کو یہ گیان کس نے رضا نے

ہیں ہم سارے فرقوں میں بس حق پہ قائم
دی مخصوص پہچان کس نے رضا نے

غلط ترجموں سے کیا ہم کو محتاط
دیا کنزالایمان کس نے رضا نے

ادا کرکے تجدید اسلام کا حق
کیا سب کو حیران کس نے رضا نے

دیا عشق شاہ دوعالم سے لبریز
یہ نعتوں کا دیوان کس نے رضا نے

دیے مشتمل بارہ جلدوں پہ ہم کو
فتاوائے ذیشان کس نے رضا نے

جہاں میں ہر اک سمت ہم سنیوں کی
بڑھائی ہے یہ شان کس نے رضا نے

عطائے خدا علم غیب نبی پر
کیا پیش برہان کس نے رضا نے

نکالا تذبذب کی دلدل سے ہم کو
کیا دور خلجان کس نے رضا نے

کیا سارے گستاخ سرکار کو زیر
برائے مسلمان کس نے رضا نے

شہ دوجہاں کی ثنا کے گلوں سے
سجایا گلستان کس نے رضا نے

نہ پرواہ کی جان کی دیں کی خاطر
دیا یوں بلیدان کس نے رضا نے

مقدس شریعت کے قلب وجگر کا
کیا پورا ارمان کس نے رضا نے

دلائل سے پیچیدہ تر مسئلوں کا
کیا ہے سمادھان کس نے رضا نے

ہمیں مذہب بوحنیفہ کا قدسی
بنایا نگہبان کس نے رضا نے

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date: 20
Same Month

Posted at Delhi RMS

Postal Registration: DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cove
Weight 95 grams
Posting Date: 21 & 22

Paigam e Shariat Monthly

Vol:- 03 Issue : 26 November : 2017

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor :
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/S Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006, &
Published from H. No. 422, IInd Floor, Gali Sarotey Wali
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006